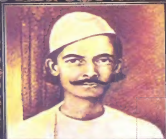


دیوانِ رباعیاتِ نسیم



تحقیق، تہذیب اور تشریح
سید تقی عابدی



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



کلیاتِ انیس - ۱

دیوانِ رباعیاتِ انیس



تحقیق، تدوین اور تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

سنگم میل پبلی کیشنز، لاہور

فہرست

- 1 رو میں ہے رخسارِ عمر 29
- 2 انتساب 31
- 3 حیات، فن اور شخصیت انہیں ڈاکٹر سید تقی عابدی 33
- 4 رہا حیات انہیں کا اجمالی تذکرہ اور تجزیہ ڈاکٹر سید تقی عابدی 75
- 5 میر انیس مشہیر شعر و ادب کی نظر میں ڈاکٹر سید تقی عابدی 179
- 6 رہا حیات انہیں 215
- 7 کتابیات 505

حمدیہ رباعیات

- 1 گور کو صدف میں آبد و چا ہے 215
- 2 سب سے ازل ہے، سب سے سابق ہے وہی 215
- 3 اپنوں کا گلہ نہ غیر ذالک کا ہے 216
- 4 حیران ہے عقل و دل شیدا سب میں 216
- 5 نہ لعل میں ہے نہ عمر و سنگ میں ٹو 217
- 6 غلامی جہاں ہے رب اکبر ٹو ہے 217
- 7 گلشن میں بھروں کہ سیر صحرا و یکھوں 218
- 8 گلشن میں صبا کو جتو حیرا ہے 218
- 9 صالح بھی ترا ہے، زشت بھی حیرا ہے 219
- 10 بلبل تری یاد میں نغاں کرتی ہے 219
- 11 بھلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو 220
- 12 سر گرم رہے نہ سرو آہیں ہیں بکی 220
- 13 ٹو کر کب تک ادھر ادھر دیکھوں میں 221
- 14 ہر برگ سے قدرت احد پیدا ہے 221
- 15 ساجے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں 222
- 16 کونین کی دولت ہے عنایت حیرا 222
- 17 فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے 223
- 18 ماں باپ سے بھی برا ہے شفقت حیرا 223
- 19 دریا تری رحمت کا اگر سر سینچے 224
- 20 شاید رونے پر دم آیا ہے تجھے 224
- 21 جی معترف بجز نا خواں حیرا ہے 225
- 22 دولت کی ہوس ہے، نہ طمع مال کی ہے 225
- 23 تو قیر ترے ہی آستانے سے ملی 226

- 24 بندے کو خیال دم بدم تیرا ہے
226
25 قانع ہو جو کچھ ہے مردانہ ہے
227
26 لائق ترے کس نے کی عبادت تیری
227
27 ممکن نہیں مبد سے عبادت تیری
228
28 ہم نے کبھی عسایاں سے کنارانہ کیا
228
29 کب شاہ و گدا سے راہ دکھتا ہوں میں
229
30 دولت کی نہ خواہش ہے نہ زور چاہتے ہیں
229
31 اے خالق ذوالفضل و کرم ارحمت کر
230
32 آدم کو جب خدا نے زحیہ بخشا
230
33 لالے سے عیاں بہار سر جڑی ہے
231

نعتیہ رباعیات

- 34 ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں؟
231
35 ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا
232
36 دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
232
37 آدم کو یہ تھنہ، یہ بد یہ نہ ملا
233
38 یا ختمِ رسل، مست سے اُلفت ہیں
233
39 کھودل کے مرض کو اے طیبِ امت!
234
40 بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
234
41 کیا بھائیوں کے اُنس کا اندازہ ہے
235
42 احمد کا براہِ اور گرامی تو ہے
235
43 اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا
236
44 وہ شاہ، کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ
236
45 جو مرتبہ احمد کے وہی کا دیکھا
237

- 46 محبوب خدا کا چائیس حیدر ہے 237
47 ہے شان علی سے حق کی شوکت پیدا 238
48 ہے چادر نور حق روئے حیدر 238
49 مختار زمین و آسمان حیدر ہے 239
50 افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک 239
51 ہے کون و مکاں میں اختیار حیدر 240

منقبتی رباعیات

- 52 شایاں تھے انیس کی شان برتر کے لیے 240
53 حیدر سا امام حق کی رحمت سے ملا 241
54 ہے روح امین علی کے دربانوں میں 241
55 ایک اک قدم لغزش مستانہ ہے 242
56 احباب لحد تک تو پہنچائیں گے 242
57 میزبان کرم میں جرم گل جاتے ہیں 243
58 سرمہ ہے غبار رنگار حیدر 243
59 برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا 244
60 روشن شمعیں تجلی طور کی ہیں 244
61 اک آن نہیں حق سے جدا حیدر ہے 245
62 جو صفیر تیغ شاہ آجاتی تھی 245
63 دنیا سے اٹھالے کے میں نام حیدر 246
64 بے دینوں کو مر تفتی نے ایماں بخشا 246
65 سرگرم ہوں میں نبی کی ہدایت میں 247
66 افضل نہ کسی کو مر تفتی سے پایا 247
67 مگر شیر خدا از یست کا بانی ہو جائے 248

- 248 68 کیا اس کی مفت میں پھر کوئی بات کرے
- 249 69 تا کام بھی کامیاب ہو جاتا ہے
- 249 70 لاریب کو منظر العجب ہے علی
- 250 71 دم الفت حیدر کا جو بھرتا ہوں نہیں
- 250 72 اب وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
- 251 73 ہر غنچے سے شاخ گل ہے کیوں نذر بکف
- 251 74 موجود تھیں نعمتیں برائے حیدر
- 252 75 افزوں ہیں، بیاں سے مہجرات حیدر
- 252 76 مولیٰ کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے
- 253 77 یہ جو دستا حاتم طائی میں نہیں
- 253 78 اعلیٰ رتبے میں ہر بشر سے پایا
- 254 79 قطرے ہیں یہ سب جس کے دو دریا ہے علی
- 254 80 فیاض علی کو ہر بشر سے پایا
- 255 81 کیا خیر نے شرف علی کے گھر سے پایا
- 255 82 مطلب بھی علی ہے، مدعا بھی ہے علی
- 256 83 ایسا پایا علی کے در سے پایا
- 256 84 شاہان جہاں سب ہیں گدائے حیدر
- 257 85 دیدار دم نزع دکھاتے ہیں علی
- 257 86 انداد کو شیر حق لحد میں پہنچے
- 258 87 گردِ وحشی علی میں مرجا میں گے
- 258 88 افضل کوئی مرتضیٰ سے ہمت میں نہیں
- 259 89 خلاقی اتام کبریا کو جانا
- 259 90 آہوے حرم ہے چشم مست حیدر
- 260 91 جام عرفاں ہے چشم مست حیدر
- 260 92 عالم یہ کتاب علم و حکمت کے ہیں

261	ہزار علی کو مال و زر سے پایا	93
261	نیکو دل کو تاج خسروانی کر دیں	94
262	چاہیں جو علی قنبر سے کو دور یا کر دیں	95
262	کہے میں ہوا جو بند و بست حیدر	96
263	رُجے سے علی کے عرش بھی پست ملا	97
263	دینداروں نے امن کفر و شر سے پایا	98
264	کہے کو یہ اللہ نے آباد کیا	99
264	قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدر	100
265	عرفاں، تصدیقِ محبت حیدر ہے	101
265	مگر قیور دیں کی مہربانی ہو جائے	102

اخلاقی رباعیات

266	ہستی کو آواز کر بسایا ہے اسے	103
266	رُجہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے	104
267	انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو	105
267	ہو خاک و لا اُمید آزادی میں	106
268	ہموار ہے گر تو کچھ تھے پاک نہیں	107
268	دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا	108
269	فصل چمن صدق و صفا بگزی ہے	109
269	کیوں زرد کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے	110
270	کیا قدر زمیں کی آسمان کے آگے؟	111
270	جو صاحبِ فہم ہے وہی انسان ہے	112
271	جینے سے طبیعت اب ہنی جاتی ہے	113
271	دل کو مرے شغلِ غم گساری کا ہے	114

- 115 بر باد کیا ہے طبع آوارہ نے 272
- 116 رہتے ہیں سدا ہوش بجا بیٹا کے 272
- 117 دو صبر مرا، دو ہنر دہاری تیری 273
- 118 ہر صبح یہ دوز کر کدھر جاتا ہے 273
- 119 ہاں، دولت فقر مصطفیٰ دیویں کے 274
- 120 خود کو محوِ ح کے پیشِ اہل دل جاتا ہوں 274
- 121 دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں 275
- 122 ہے تجزی مشکل و ہوش، بے ہوشی میں 275
- 123 ان آنکھوں سے خوب لطفِ عالم دیکھا 276
- 124 مال و زر و اسرہ چشم مٹا ہے 276
- 125 مانا ہم نے عیب سے پاک ہے تو 277
- 126 ہر دم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں 277
- 127 کب غنچے کی گل جھڑی مہانے کھولی 278
- 128 نفوت یہ عہدِ دولتِ ناپاک پہ ہے 278
- 129 غنچے پہ نہ سر ہے، نہ بدن بستر پہ 279
- 130 اے آؤ، ترا اثر نہ دیکھا ہم نے 279
- 131 خلق و تعظیمِ دولتِ دینی ہے 280
- 132 روتے ہیں لبِ ہر ایک بدم کے لیے 280
- 133 عاجز نہ کسی بزرگ کو اصلا سمجھے 281
- 134 اندیشے میں دن تمام ہو جاتا ہے 281
- 135 اندیشہِ باطلِ سر و شام کیا 282
- 136 کس بات میں کید کس میں خدویر نہیں 282
- 137 اندوہِ عالم سے کب یہ جاں بختی ہے 283
- 138 غور کر بھی نہ ماریں گے اگر خود سر ہے 283

- 139 کس زیت پ میل مال واسہا پ کریں 284
- 140 دنیا جیسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے 284
- 141 دولت سے نہ کچھ لطف و مزہ پاتے ہیں 285
- 142 انساں ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے 285
- 143 دولت نہ عطا کر، نہ جہاں میں زردے 286
- 144 جو سو غمزن سے خوش نہیں ہوتا ہے 286
- 145 مہمان کی عزت میں بڑی عزت ہے 287
- 146 کہہ دے کوئی عیب جو، سے سرگوشی میں 287
- 147 گر ہاتھ میں زرخیز تو کچھ باک نہیں 288
- 148 تاج رخ افغان مج گاہی نہ گئی 288
- 149 برنگس ہے گر خاک میں مل مل جائے 289
- 150 ہے ملکیت جسم میں شامی دل کی 289
- 151 تعریف پر اپنی کیوں تجھے غرہ ہے 290
- 152 یہ آؤج، یہ مرجہ ہما کو نہ ملے 290
- 153 یہ حرص جو لے کے جا بجا پھرتی ہے 291
- 154 جب دیکھیں گے احوال قیامت آنکھیں 291
- 155 حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں 292
- 156 کچھ فرق کلام کہہ دو میں نہیں 292
- 157 انساں ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں 293
- 158 الفت ہے، نہ پاس ربط و رینہ ہے 293
- 159 ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں 294
- 160 سنی سے بنا ہے، دل کو تو سنگ نہ کر 294
- 161 عصیاں سے ہوں شرمسار، تو بہ یارب! 295
- 162 احباب سے اُمید ہے بے ہاجھ کو 295

- 163 کس منہ سے کہوں میں کہ خوش انہام ہے تو 296
- 164 افسوس یہاں سے نہ سبک بار چلے 296
- 165 سر پہنچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح 297
- 166 بر باد گراں جنس کو بے قول نہ کر 297
- 167 افسوس یہ عصیاں یہ چاہی دل کی 298
- 168 دنیا میں کسی کا نہ سہارا دیکھا 298
- 169 پر ساق کوئی کب جو ہر ذاتی کا ہے 299
- 170 چل جلد، اگر قصد سحر رکھتا ہے 299
- 171 کیا سوچ کے اس دار فقا میں آئے 300
- 172 دنیا دریا ہے اور ہوں طوفاں ہے 300
- 173 کر بجز اگر عاقل و فرزادہ ہے 301
- 174 ہر چند زمیں پست، ملک عالی ہے 301
- 175 غفلت میں نہ کھوم کر کہ بچتائے گا 302
- 176 ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے 302
- 177 ہر دم مجھے سامنا مصوبت کا ہے نہ 303
- 178 کیوں آج دلا خیال فردا نہ کیا؟ 303
- 179 ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو 304
- 180 غفلت میں نہ کھوم جہاں قاتی ہے 304
- 181 جو شے ہے فنا سے بچا سمجھا ہے 305
- 182 کانوں میں سدا حرف پریشانی ہے 305
- 183 ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں؟ 306
- 184 دھوڑوں تو نہ صورت بھائی نکلتے 306
- 185 جس شخص کو معنی کی طلبکاری ہے 307
- 186 ایذا سے نہ کوئی اس میں اصلاً چھوٹا 307

- 187 آنکھیں کھولیں مگر یہ پردہ نہ کھلا 308
- 188 دنیا سے رہائی ہو یہ وہ حال نہیں 308
- 189 جز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی 309
- 190 دنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ 309
- 191 دنیا بھی محب سرائے قافی دیکھی 310
- 192 غافل وہ ہے جو عقابت اندیش نہیں 310
- 193 راحت کا مزہ ادوے چائی نکلا 311
- 194 ہشیار اگر وقت ساز و برگ آیا ہے 311
- 195 دل سے طاقت، بدن سے کس جاتا ہے 312
- 196 جیری آئی، عذار بے نور ہوئے 312
- 197 جیری سے خاک مہربانی نہ ہوئی 313
- 198 کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں جاتا ہے 313
- 199 آزادی میں آفتِ اسیری آئی 314
- 200 پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردہ ہے یہی 314
- 201 کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا 315
- 202 جیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے 315
- 203 راتیں نہ وہ اب ہوں گی نہ خواب آئے گا 316
- 204 خاطر کو بھی نہ مطمئن دکھلایا 316
- 205 جیری سے بدن زار ہوا زاری کر 317
- 206 جب آٹھ گیا سایہ جوانی سر سے 317
- 207 جب تک ہے جواں، میر ہے، نظارہ ہے 318
- 208 جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا 318
- 209 افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے 319
- 210 طفلی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے 319

- 211 بیٹے میں یہ دم طبع سحر گاہی ہے 320
- 212 ہے کون جو رنج مرگ سہنے کا نہیں؟ 320
- 213 وہ سوچ حوادث کا تجیز اندر ہا 321
- 214 کچھ عقل کی میزان میں تو لاند گیا 321
- 215 دو دن کی حیات پر صبت غر ہے 322
- 216 آرام سے کس دن تہ الماک رہے 322
- 217 طے منزل وحشت دشمن ہوتی ہے 323
- 218 دل مُت سے اٹھا کے حق پرستی کیجے 323
- 219 وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ 324
- 220 اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے 324
- 221 آفاق میں مرنے کے لیے بیٹا ہے 325
- 222 مجموعہ خاطر ان دنوں اتر ہے 325
- 223 جس دم نزدیک وقت رحلت ہوگا 326
- 224 یاں آئے ملال اور رنج سہنے کے لیے 326
- 225 کچھ چند دھیمت نے بھی تاشیر نہ کی 327
- 226 ہر آن تھیر ہے زمانے کے لیے 327
- 227 گر لاکھ برس بیٹے تو پھر مرنے ہے 328
- 228 گھر چھوڑ کے ہیر جستجو نکلیں گے 328
- 229 دل سے دنیا کے دلو لے جاتے ہیں 329
- 230 کچھ ملک عدم میں رنج کا نام نہ تھا 329
- 231 دل میں غم یا ران وطن لے کے چلے 330
- 232 کو صورت دریا بہر تن جوش میں ہوں 330
- 233 شاہوں کا وہ تخت و علم و تاج نہیں 331
- 234 اک شعلہ نور طور سے آیا ہے 331

- 235 ادھار کا کھٹکا ختم و جاہ میں ہے 332
- 236 آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا 332
- 237 خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے 333
- 238 اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا 333
- 239 یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے 334
- 240 اُس ملک سے، دنیا کی ہوس میں آئے 334
- 241 راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری 335
- 242 نے آہ دہن سے نہ فغاں نکلی گی 335
- 243 کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے 336
- 244 ہر چند کہ ہے بلند پایہ سرکا 336
- 245 مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے 337
- 246 دنیا سے کوئی دم میں سفر حیرا ہے 337
- 247 محبوب کو ہم کنار بھی دیکھ لیا 338
- 248 اتنا نہ غرور کر کہ مرنے ہے تجھے 338
- 249 دروالمِ ممات کیوں کر گزرے 339
- 250 جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا 339
- 251 اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے 340
- 252 خادوں سے غلش، نہ پھول سے کاوش ہے 340
- 253 فردِ بنِ ہر ایک قبر کا کوٹا ہوگا 341
- 254 بالوں پہ غبارِ شینِ ظاہر ہے اب 341
- 255 اب زمرِ قدمِ لحد کا باب آپہنچا 342
- 256 جب خاک میں ہستی کا جہنم ہے 342
- 257 ہر آج کو ایک روز بستی ہوگی 343

ذاتی رباعیات

- 258 کیا جاوے صبر و تاب کہتے ہیں کے 343
- 259 بخشش میں غم شاد کو کانی پایا 344
- 260 پالیدہ ہوں وہ آج مجھے آج ملا 344
- 261 کیوں زرد کی ہوں میں آمرو دیتا ہے؟ 345
- 262 کس دن غریب خامدنگ و قد میں نہیں 345
- 263 آئینہ ہے سب حال و حیراں ہوں میں 346
- 264 ہشیار ہے، سب سے باخبر ہے جب تک 346
- 265 زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے 347
- 266 ہر بند پہ ذکر کو ملا دیتے ہیں 347
- 267 کس منہ سے کہوں لائق نہیں ہوں میں 348
- 268 عراج شہنشاہ و بطحا ہم ہیں 348
- 269 ہاندھے ہوئے گوہر خن لائے ہیں 349
- 270 محلو ذرا معنی سے سراہیند ہے 349
- 271 وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے 350
- 272 ہر ایک خن میں رنگ آمیزی ہے 350
- 273 وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے 351
- 274 ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے 351
- 275 ہاں بعد فنا خن نشاں ہے میرا 352
- 276 ہر شب تکلیف جاں کنی ہوتی ہے 352
- 277 فرصت نہ ذرا چشم کو اک پل بھروں 353
- 278 مضمون گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے 353
- 279 شہک خن نظم کہاں بند کروں 354

- 280 گل میں کو فرو رگل نشانی کا ہے 354
- 281 لفظوں میں تنک، سخن میں شیرینی ہے 355
- 282 بے جا نہیں مدح میں غزا میرا 355
- 283 تاباں فلک سخن کے تارے ہم ہیں 356
- 284 گہپائے مضا میں کو کہاں بند کروں 356
- 285 رُحہ ہونہ کیوں لقم میں برتر میرا 357
- 286 کانپا نہ جگر، نہ دل، نہ چہرا اُترا 357
- 287 نے مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے 358
- 288 کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں 358
- 289 پر داسخ زباں کو سچے کی نہیں 359
- 290 دل روز بروز باتواں رہتا ہے 359
- 291 کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ کیا کیا اُترا 360
- 292 مضمون انہیں کا نہ چہ با اُترا 360
- 293 گل سے بلبل کی خوش بیانی پو پھو 361
- 294 ہو جاتی ہے سہل چش وانا مشکل 361
- 295 عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے 362
- 296 چمکتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں 362
- 297 بخشش کے لیے مرثیہ خوانی ہے مری 363
- 298 جب نزع رواں سے جسم بے قابو ہو 363
- 299 وردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا 364
- 300 دیتا ہے وہی شفاء کہ جو شافی ہے 364
- 301 انداز سخن تم جو ہمارے سمجھو 365
- 302 پیار کی بالیں پہ مسیا آئے 365
- 303 ذاکر کی جو آواز حسیں ہوتی ہے 366

- 304 دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں، یا رب!
- 305 تن پر ہے عرق، عجب تب و تاب میں ہوں
- 306 ہر لکھ کھنٹی جاتی ہے طاقت میری
- 307 ہے سخت طول طبع، ناساز مری
- 308 کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف
- 309 کس جسم پہ تل کروں کہ شہ زور ہوں میں
- 310 کم زور ایسا کسی کو پیری نہ کرے
- 311 آلودہ مٹ اس غم چاٹکا، میں ہے
- 312 عقیقی کے ہراک کام سے ناکام ہے تو
- 313 عازم طرف عالم بالا ہوں میں
- 314 یہ عمر یوں ہی تمام ہو جائے گی
- 315 ہر چہ کہ خست و خیز ہے آواز
- 316 میزبانِ سخنِ راج میں ٹھکا ہوں میں
- 317 واحد ہے جو، عیدِ نیک نام اس کا ہوں
- 318 ہم سے کوئی اہل کبر خوا تو کرے
- 319 کب دُزد سے دولتِ ہنر پہنچتی ہے
- 320 اعلیٰ سے نہ ہو گا کبھی ادنیٰ بھاری
- 321 کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
- 322 رونقِ دو بزمِ خوش بیانی ہم ہیں
- 323 کس دن مضمونِ نو کا نقشہ اُترا؟
- 324 ناہم سے کب دواہن لیتا ہوں
- 325 ناقدِ رئی احباب سے حیراں ہوں میں
- 326 راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
- 327 فہرہ ہر سو جو خوش کلائی کا ہے

- 328 دل کو آرام بے قراری سے ملا
329 ہستی میں ہے لطفِ ارحمندی مجھ کو
330 گزرے ہر دم مرا اداوت میں تری
331 ہے افسرِ دیں، تاجِ سکندر حیدر
332 اللہ اللہ عز و جاہِ ذاکر
333 جو بند کہا وہ نذر حیدر کے لیے
334 عزت رہے یار و آشنا کے آگے
335 کچھ جس سے نہیں حصولِ وہِ کشت ہوں میں
336 گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے
337 افسوس کہ چینِ مصطفیٰ کو نہ ملے
338 کیا ہو سکے، بحر طبع کو جوش پہ ہے
339 انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
340 سنے فریادِ یاسینؑ لہنِ طاق
341 ساقی شرابِ حوضِ کوثر، حیدر

سماجی رباعیات

- 342 افسوس زمانے کا عجیب طور ہوا
343 کیونکر دل غم زدہ نہ فریاد کرے؟
344 ہادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب
345 اے بادشاہِ کون و مکاں! اور کی
346 دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھا
347 پوچھو نہ خبر کہ بے خبر ہیں اب تو
348 امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
349 موجود ہے جو کچھ تھے منظور ہے یاں

- 389 گلزار جہاں سے باغ جنت میں گئے
390 صد حیف کہ یار جانی نہ رہا
390 اللہ و رسول کی امداد رہے
391 انہام بخیر! ابتدا بگری ہے

اعتمادی رباہیات

- 391 کمر میں دھوڑھوڑا بجن میں دھوڑھو
392 اے بختِ رسا! انوئے نجفِ راضی کر
392 ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
393 کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی؟
393 سو زخمِ دوری نے جلا رکھا ہے
394 کس شہر میں درِ مدعا ملتا ہے
394 دل میں ہو ترا درد، تو درماں کیا ہے
395 کیا فیضِ حق کے قدمِ پاک سے ہے
395 خورشیدِ شرف بر بچ شرف میں ہوگا
396 اب ہند کی عظمت سے لگا ہوں میں
396 صباں بالکل ثواب ہو جاتا ہے
397 جبریل امیں کو فرورہانی ہے
397 توفیقِ ثناء سے دین پاؤں میں
398 کل دل کو نہیں ہے آج کل، جائیں گے
398 عظمتِ کدہ ہند میں کیا ملتا ہے
399 جو روضہ حیدر پہ کیسے ہوتا ہے
399 یازست میں یا بعدیٰ پہنچیں گے
400 جو روضہ شاد کر بلا تک پہنچے

- 372 اکسیر کو دیکھا نہ ملا کو دیکھا 400
- 373 یارب ایسا اثر مری دعا میں مل جائے 401
- 374 مجبور ہوں جنت کے جہن والوں سے 401
- 375 یارب امری نیت کو ز میں پاک ملے 402
- 376 جس شخص کو شوقی کر بلا ہوتا ہے 402
- 377 مرقہ میں انیس نہ کفن میں ہوگا 403
- 378 حاصل جوہر دیں کی حضوری ہو جائے 403
- 379 یارب کہیں جلد وہ زمانا ہووے 404
- 380 جب دور سے ایوانِ عطا کو دیکھا 404
- 381 گل جیس تو بھلا جہن سنوارے ایسے 405
- 382 ہے فصلِ عزا، جدا جدا بھلس ہے 405
- 383 انس و ملک و حور کی بھلس یہ ہے 406
- 384 تیر فم وٹے سینے میں بیستہ ہے 406
- 385 یہ بزمِ عزاے پیرزہرا ہے 407
- 386 امینِ اسد اللہ کا دربار ہے یہ 407
- 387 اس بزم کی تعریف کا ٹل ہر سو ہے 408
- 388 اُلفت ہو جسے اسے ولی کہتے ہیں 408
- 389 رونے کے لیے روح رسول آتی ہے 409
- 390 اک نور کا گمرون کا مزاخانہ ہے 409
- 391 اس بزم کو جنت سے جو خوش پاتے ہیں 410
- 392 حاضر ہوں نہ کیوں، حضور کی بھلس ہے 410
- 393 مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر 411
- 394 افلاک شرافت کے ستارے آئے 411
- 395 دنیا میں ہیں یہ مٹی کے پیارے ایسے 412

- 396 احساں نہیں، مگر بزمِ مزا میں آئے 412
- 397 ہر حال دل و جگر کو رہا جائے 413
- 398 پُر نور ہے سب بزمِ دو تارے یہ ہیں 413
- 399 دھوپ آ کے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے 414
- 400 احباب کا مجمع ہے، بہارِ غم ہے 414
- 401 غم ہے ہمیں، لیکن انہیں خوش حالی ہے 415
- 402 فردوس سے روحِ مصطفیٰ آتی ہے 415
- 403 محفلِ محبوبِ حق کے پیاروں کی ہے 416
- 404 تکلیف کسی کی شہ کو منظور نہیں 416
- 405 لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ 417
- 406 مجلس میں جو بارِ یاب ہو جاتا ہے 417
- 407 کیا بزم ہے، کیا آہ و بکا ہر سو ہے 418
- 408 مٹنے سے دلوں پہ رنج و غم چھائے ہیں 418
- 409 عابد سب ہیں، خدا رسیدہ سب ہیں 419
- 410 رونے میں یہ موسمِ جو ہر ہوتا ہے 419
- 411 رعبِ شرمی جاہ سے تھڑاتے ہیں 420
- 412 کس طرح کرے نہ ایک عالمِ انوس 420
- 413 کس کام آئے گی حیر ہوشی حیری 421
- 414 ہر وقت ہم شہِ دمن تازہ ہے 421
- 415 کیا دخلِ غن کوئی فلک پر پہنچے 422
- 416 حیر کے غم میں دل کو بے تاب ہے 422
- 417 حیر کا شرمک ہے ماتمِ باقی 423
- 418 مطلق بہشتِ مٹا، مانی کٹ جائے 423
- 419 نیساں کو خجل دیدہ و تر سے پایا 424

- 424 ناکھ میں کفن، نہ بور پارکتے ہیں
- 425 رونے سے فراغ اب تو کسی روز نہیں
- 425 ہم لوگ اگر قدر غم شاد کریں
- 426 رومال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے
- 426 عمر اپنی غمِ حزن میں بسر کر لے تو
- 427 داغِ غمِ حزن دل میں اگر پیدا ہو
- 428 یاں دھوپ بھی آکے زرد ہو جاتی ہے
- 427 رونے کا رسول حق صلا دیتے ہیں
- 428 کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
- 429 پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لیے
- 429 تدبیر کرو اشکوں سے منہ دھونے کی
- 430 ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے
- 430 سینوں میں جگر پہ حیر غم چلتے ہیں
- 431 اے شاد کے غم میں جان نکھونے والو
- 431 کوحشر میں مہر کی تمازت ہوگی
- 432 ہے اُس کی دوا جو مرضِ آدم ہے
- 432 ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار
- 433 دس دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں
- 433 تعمیر نہ کر خراب ہونے کے لیے
- 434 ہر دم غم سیلاؤ لولاک کیا
- 434 جس جاؤ کر حسین ہو جاتا ہے
- 435 جز مدحِ سخنِ منہ سے کوئی کم نکلے
- 435 جب دارِ وحشر رونے والے ہوں گے
- 436 کیوں آؤ نہ شبیوں کے جگر سے نکلے؟

- 444 آکھ اب بہاری سے لڑی رہتی ہے
- 445 جلیل یہاں آکے خوش بیانی نکھے
- 446 آئینہ خاطر کی جلا ہے دونا
- 447 آیا ہے محرم آواز اری کرلو
- 448 ہر شب غم شہ میں جان کھویا کھینے
- 449 عشرے کے جودن یاد میں آتے ہیں
- 450 مظلوم پر ہم مونسوں روتی ہے
- 451 اس بزم کو ہر بزم پر فوقیت ہے
- 452 آنسو زبغ مومن کے لیے غار ہے
- 453 زر کے لیے حق نے کیا پیدا کی
- 454 اٹکوں میں نہاؤ تو بگر شہدے ہوں
- 455 داغ غم شہ سینے میں گل بونے ہیں
- 456 ہر اشک عز اور ذر بیکتا ہے
- 457 مجلس میں جب بہار چشم تر ہے
- 458 جوشا کے غم کو دل میں جا دیوے گا
- 459 اختر سے بھی آمد میں بہتر ہیں یہ اشک
- 460 مصروف چرونے کی طرف آنکھیں ہیں
- 461 جو چشم غم شہ میں سدا دتی ہے
- 462 کیا دست بڑو کو ہاتھ آئی تسلیع
- 463 دل ماتم شیر میں صد پارہ ہے
- 464 رونے کی جو غم میں شہ کے خو ہوں گی
- 465 رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
- 466 اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے
- 467 سوز غم سرزد سے بگر جاتا ہے

- 448 روشن جو ہر ایک داغ ہو جاتا ہے
- 449 ہاں جوشِ غمِ سرورِ عالی ہو جائے
- 449 مہرِ کاغذ یہ جن کے دل پر ہوگا
- 450 جو قطرۂ اشک ہے دل آرام ہے یہ
- 450 مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے
- 451 بے کار نہیں ہے آوازِ ادا کی
- 451 فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
- 452 جب دل غمِ شہ سے داغ ہو جاتا ہے
- 452 سوزِ غمِ شہ سے داغ داغ آنکھیں ہیں
- 453 ہیں سوگ میں شبنم کے ہر دم آنکھیں
- 453 کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے
- 454 سے خانہ کوڑ کا شرابی ہوں میں
- 454 جس پر نظر اک لطف کی مہر کریں
- 455 گر سہل جی کی مہربانی ہو جائے

رباعی ربا عیات

- 455 جب لوحِ دقلم ہوئے قرآنِ منحدین
- 456 یکبارہ درود جوئی پر بیجے
- 456 ذہرا سے کوئی غمِ صبرِ پوچھے
- 457 کیا پانچ ہوئے خدا کے مظہرِ پیدا
- 457 کرسی کس کی ہے، عرشِ اعلیٰ کس کا؟
- 458 دل غم سے تجھوں کے بھرے رچے ہیں
- 458 کہے میں جسے حق نے اتارا ہوگا
- 458 گردوں پہ ملک ہیں لوحِ خوانِ حیدر

- 459 مسجد میں چراغ دین خاصوش ہوا
- 460 ہے آج وہ دن کہ بھیا روتے ہیں
- 460 دایم رسول کی شہادت ہے آج
- 461 گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے
- 461 خیمہ لب نہرو کو کرنے نہ دیا
- 462 خوں میں شہ مظلوم کا سینہ ڈوبا
- 462 دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ کر ہے زہرا
- 463 دشمن جو یزید ستم ایجاد ہوا
- 463 سولہ سرے، عقل کے قریں آپہنچے
- 464 اے اہل عزا! عزا کے دن آپہنچے
- 464 اے یادِ محرم کا سینہ آیا
- 465 کیا جوش و خروش سے محرم آیا
- 465 گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے
- 466 آتا ہے جو عقل میں محرم تازہ
- 466 آہو اتروں سے جسم و دین چور ہوا
- 467 جب ذبحِ حسینی الا کرام ہوا
- 467 زہرا جو بعد آہ و فغاں نکلتی ہے
- 468 شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
- 468 کیا پیاس میں تھے تجھ عبادتِ محمدؐ
- 469 جب کٹ گیا سجدے میں سر پاکِ حسین
- 469 اے مولانا قاضی کا پیارا شیر
- 470 جب بی بیوں سے وداع ہوتے تھے حسین
- 470 بست و نیم ملام محرم ہے آج
- 471 ہے گوردکن باپ کا لاشا دیکھا

- 514 میدان میں جو حضرت پہنچے تھے
- 515 کیا کیا نہ ستم اہل جفا کرتے ہیں
- 516 فریاد و فغان درج و غم کے دن ہیں
- 517 کہتی تھی جوں اے مرے پیارے شیر
- 518 کہتے تھے لعیں لوٹ میں زر پائیں گے
- 519 وہ کون سا صدمہ تھا جو فتنہ پر نہ ہوا
- 520 عابد کہتے تھے، آہ! کیا چارہ ہے
- 521 سفار کا لشکر لب دریا آؤ
- 522 کیا مرحبہ سلطان مجازی کا ہے
- 523 فتنہ کہتے تھے خالق کا شامسا ہوں میں
- 524 یکن گہر قلم سرد ہے حسین
- 525 فتنہ کہتے تھے عاشق الہی ہوں میں
- 526 زہد نے کہا بھائی سے میں جھوٹ مٹی
- 527 زہد نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے
- 528 کہتی تھی جوں آہ یا رب! کیا ہے؟
- 529 حیرت میں ہوں کیوں جہاں میں آیا پانی
- 530 جنگل کی پیش کنار دریا گزری
- 531 مظلوم نہ شاد مگر برسا ہوگا
- 532 اک کہنہ روا آل مہا کو نہ ملے
- 533 کیا مگر نہ صاب جو شہنم سے برے
- 534 اعدا نے پیا اور بہایا پانی
- 535 پتھر بھی حرارت سے پھل جاتے تھے
- 536 جب خامہ شام خوش اقبال کیا
- 537 صدقے ترے اے فاطمہ کے چاہے حسین

- 483 538 عیاں سر خانقہ زن ہے اب تک
- 484 539 مال نہیں طبع پاک اس دنیا پر
- 484 540 جب شام کے زمراں میں حرم بند ہوئے
- 485 541 جب دفن ہوا شیر خدا کا جانی
- 485 542 مارے گئے جو وہ سب نصیں دفن ہوئے
- 486 543 براہم ہے جہاں جب حلاطم ہے آج
- 486 544 مرقہ بھی شہیدوں کے بتائے نہ گئے
- 487 545 رشتی میں گلائی کی جانی کا ہے
- 487 546 شہ کہتے تھے عہاں سامہ زو و درہا
- 488 547 خوں بھائی کاؤ کے رو برو بہتا تھا
- 488 548 عہاں سامف شمن نہ ہوگا کوئی
- 489 549 اعدا ارتقاے شہ سے سر نہ ہوئے
- 489 550 عہاں کو لفظ زندگانی نہ ملا
- 490 551 ظاہر وہی الفت کے اثر ہیں اب تک
- 490 552 روتے ہیں نہ فریادوں کا کرتے ہیں
- 491 553 اکبر نے جو گھر موت کا آہا دیا
- 491 554 اکبر کہتے تھے بابا کیوں روتے ہو؟
- 492 555 مد چاہیے وصفِ اکبر کے لیے
- 492 556 دشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ
- 493 557 شمسوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
- 493 558 قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا
- 494 559 جھک جھک کے تو منہ اکن حق نے دیکھا
- 494 560 کہتی تھی سکینہ گھر کا جلتا دیکھا
- 495 561 چلاتے تھے مسلم کے پھر قتل نہ کر

- 495 562 ماں کہتی تھی راحت نہ تھے آہلی
- 496 563 مر جاے جو فرزند تو کیا چارہ ہے
- 496 564 بانو کہتی تھی، ہائے اکبر نہ رہے
- 497 565 جو شے تھی تیرے چرخ میں ملتی تھی
- 497 566 کیا رنج جہاںے اشتیاق سے کھینچا
- 498 567 عابد کی تمام عمر داری نہ گئی
- 498 568 عابد کو سودا باپ کا غم رہتا تھا
- 499 569 تھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاد
- 499 570 عابد تھے مدام صبح ہوتے روتے
- 500 571 سجاد حزیں مشغل بکار کتے ہیں
- 500 572 بن روئے نہ عابد سے رہا جاتا تھا
- 501 573 عابد کو کبھی خوش نہیں ہوتے دیکھا
- 501 574 سجاد کے چہرے سے نظیری نہ گئی
- 502 575 خر نے مقدار کا مقدر پایا
- 502 576 جب خر کا گز شاہِ اُسم نے بخشا
- 503 577 شہرِ ساغر نے جب کہ رہبر پایا
- 503 578 خر کہتا تھا جب قبر میں سونا ہوگا
- 504 579 خر جبکہ فدائے شہرِ ذی جاہ ہوا
- 505 580 کتا بیات

رو میں ہے رخسِ عمر

نام :	سید محی حسن عابدی
ادبی نام :	محی عابدی
حلقہ :	محی
والد کا نام :	سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام :	منجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش :	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش :	دہلی (اٹریا)
تعلیم :	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، اٹریا)
	ایم ایس (برطانیہ)
	ایف سی اے پی (امریکہ)
	ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ :	طہابت
ذوق :	شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
شوق :	مطالعہ اور تصنیف
قیام :	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا
شریک حیات :	سمیت
اولاد :	دو بیٹیاں (معصومہ اور روبہ)
	دو بیٹے (رضاد و رضی)

تصانیف

: (40) شہید (1982) جوشِ مودت، گلشنِ رویا، اقبال کے

عرفانی زاوے، انشاء اللہ خاں انشاء، رموزِ شاعری، اظہار

حق، مجتہد نظم مرزا دیر، طالعِ مہر، سلکِ سلام دیر، تجزیہ یادگار

انیس، ابوابِ المعاصی، ذکرِ دُرباران، عروضِ سخن، مصحف

فارسی دیر، مثنویات دیر، کائناتِ نجم، روپ کنور کمار، دُربار

رسالت، فکرِ مطمئن، خوشہِ انجم، دُر دریاۓ نجف، تاثیرِ ماتم، بچی

مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تنزل، حواِ نجم، تعشقِ لکھنوی، ادبی

معجزہ، غالب دیوانِ نعت و منقبت، چوں مرگ آید، رباعیات

دیر، سہدِ سخن، دیوانِ غالب فارسی، فیضِ جنی، مطالعہ دیر کی

روایت، دیوانِ سلام و کلام انیس

زیرِ تالیف

: تجزیہ شکوہ جواب شکوہ، غالی لا غالی، تجزیہ رباعیات، فراق

گورکھپوری، دو شاہکار نظمیں، اقبال کے چار مصرعے،

رباعیات بیدل، باتیاتِ فیض۔

انتساب

انیس کے خیر تاہاں
 پروفیسر سید خیر مسعود رضوی
 کے نام

شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
 سکھایا اُس نے مجھ کو مست بے جام و سہو رہنا
 (اقبال)

حیات، فن اور شخصیتِ میرا نیس

تعارف اور خاندان:

اردو شعر و ادب کے بعض تذکروں میں خدائے سخن کا عنوان دو عظیم شاعروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ میر تقی میر اور میرا نیس۔ میر تقی میر نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے غزل کو منتخب کیا اور میرا نیس نے مرثیہ کا انتخاب کیا۔ جرمن کے مشہور شاعر گوٹے نے کہا تھا: ”ادب میں کوئی صنف اس وقت تک عظیم نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کا موضوع عظیم نہ ہو۔“ میرا نیس نے جس صنفِ شاعری مرثیہ کا انتخاب کیا اس کا موضوع عظیم ترین موضوع یعنی شہادتِ امام حسین تھا۔

فردوسی کہتا ہے:

منم ساختم رستم داستان و گرنہ بے بود در سہستان
یعنی شاہنامہ میں، میں نے اپنے موعئے قلم سے رستم کو رستم بتایا ورنہ وہ تو
سہستان کے علاقہ کا ایک نیم وحشی شخص تھا۔ اس کے برخلاف میرا نیس کو جن پر گزیدہ
ہستیوں کے واقعات، جذباتِ نفسیات اور ان کی سیرت نگاری، کردار نگاری، رزم بزم اور

سرپا کی مرتع کشی کرنی پڑی وہ داستان سازی نہ تھی بلکہ بڑی مشکل اور دشوار راہ تھی۔ میر انیس نے اپنی عاجز بیانی اور مجبوری کا اظہار یوں کیا ہے:

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہاں حسان و فردوق ہیں یہاں عاجز و حیران
شرمندہ زمانے سے مجھے وائیل و سہاں کاسر ہیں سخن فہم و سخن جگ و سخن داں

کیا مدح کتبِ خاک سے ہو نور خدا کی

لکنت یہاں کرتی ہیں زباںیں فصحا کی

میر انیس کا خاندان شاعری و محنت و آمل محمد سے سرشار تھا۔ چنانچہ تحریر

اعدا میں فرماتے ہیں:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

پانچویں پشت ہے فہم کی مداحی میں

میر انیس کے پوتے دولہا صاحب عروج فرماتے ہیں۔

سیر اک جام سے میں ہوں یہ مرا طور نہیں

سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں

میر انیس خاندانی شاعر تھے۔ خاندان میر انیس کے سوا دنیا میں کوئی دوسرا

ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس میں بے در پے نسل در نسل آٹھ ممتاز و معروف شاعر

پیدا ہوئے ہوں۔ اس خاندان نے تقریباً تین صدیوں میں پہلے قاری اور پھر اردو

زبان کی ایسی خدمت کی کہ اس خاندان کی زبان مستند لب و لہجہ معتبر اور اس کا

مقام شعر و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ اسی لئے مشہور شاعر شیخ ناسخ اپنے شاگردوں سے

کہا کرتے تھے: ”بھئی زبان سیکھنی ہو تو میر غلطی کے ہاں جایا کرو۔“ میر انیس

بعض اوقات مرثیہ پڑھتے ہوئے فرماتے۔ ”صاحبو! یہ میرے خاندان کا لب و لہجہ ہے اہل لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔“ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ع: خفا کہ یہ غلیظ کی ہے سرسبزباں

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے

اجداد باوقار سے میراث پائی ہے

میر انیس کے جد اعلیٰ میرامای موسوی ہروی حضرت امام موسیٰ رضاؑ کی نسل سے تھے۔ وہ ہرات کے شرقا میں بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہ جہاں کے عہد سلطنت میں ایران سے آئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت سر ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ میرامای موسوی جید عالم تھے، فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ وہ طبیعت کی سوزوئی سے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی مثنوی ”بارغ مراد“ مشہور ہے لیکن ان کا تقریباً سارا کلام ضائع ہو گیا۔ میرامای کے فرزند میر عزیز اللہ اور پوتے میر ہدایت اللہ کی شاعری کے بارے میں تاریخ اور تذکرے خاموش ہیں۔ میر ہدایت اللہ کے بیٹے میر غلام حسین ضاحک فارسی اور اردو کے مشہور اور معروف شاعر گزرے ہیں۔ دہلی کے مستقل قیام سے اس خاندان کی زبان دو نسلوں بعد دہلی کی فصیح اور شستہ اردو ہو گئی۔ میر ضاحک، میر تقی میر اور مرزا سدا کے ہم عصر صاحب دیوان شاعر اور مزاح نگار تھے۔ میر ضاحک اور مرزا سدا کی باہمی چٹھک کا ذکر تقریباً ہر تذکرے میں موجود ہے۔ میر ضاحک کی تاریخ پیدائش اور وفات کا صحیح پتہ نہیں چلا، مگر ڈاکٹر وحید قریشی کی ہدیہ تحقیقات کی روشنی میں ضاحک کی پیدائش کا سال ۱۱۳۰ھ کے لگ بھگ معلوم ہوتا

ہے۔ قاضی عبدالودود نے علی گڑھ میگزین طنز و ظرافت شمارہ ۱۹۵۳ء میں ضاحک کا انتقال ۱۱۹۶ اور ۱۱۹۸ھ کے درمیان بتایا ہے۔ میر ضاحک کے دیوان کے قلمی نسخہ پر ۱۱۹۹ ہجری تاریخ ثبت ہے۔ اس دیوان میں ہزلیں، غزلیں، رباعیات، سلام، نوے اور مرعے شامل ہیں۔

میر ضاحک کے بیٹے اور میر انیس کے دادا میر غلام حسن دہلوی نے شعرد ادب میں باپ سے زیادہ نام پیدا کیا۔ میر حسن کی پیدائش ۱۱۵۳ ہجری میں ہوئی ان کا سال وفات مستحقی کے کہے ہوئے مصرع ”شاعر شرین بیاں تاریخ یافت“ کے ٹکڑے ”شاعر شرین بیاں“ سے ۱۲۰۱ ہجری لکھا ہے۔ میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ لیکن بقول نقشب علی مولف تذکرہ ”باغی معانی“ ۱۱۷۳ھ میں والد کے ہمراہ فیض آباد آچکے تھے اور صاحب تذکرہ ان سے آشنا بھی تھے۔ علوم شاعری اور قواعد کو پہلے اپنے والد میر ضاحک اور پھر میر ضیا سے سیکھے۔ شاعری میں میر اور سودا کی پیروی کی۔ میر حسن کی مشویات میں سحر البیان، گلزار ارم، رموز العارفین، حوٹلی قصر جواہر، شادی اور تہنیت عید شامل ہیں۔ اُردو میں سیکڑوں مشویاں کہی گئیں لیکن میر حسن کی سحر البیان کا جواب نہ ہوسکا۔

میر حسن کے کلیات میں غزلیں قصیدے، سلام، مرعے اور رباعیات نظر آتی ہیں۔ ۱۱۸۸ ہجری میں میر حسن نے ”تذکرہ شعرائے ہندی“ فارسی زبان میں لکھا جس میں ۳۰۷ اُردو شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام موجود ہے اور اس میں ۱۱۹۱ ہجری تک اضافہ کرتے رہے۔ یہ تذکرہ تاریخی اور ادبی دستاویز ہے۔ میر حسن کے چاروں بیٹے یعنی میر مخلوق، میر احسن خلق، میر مستحسن خلقی اور میر حسن شاعر

تھے۔ ان میں غلیق اور غلیق صاحب دیوان تھے۔ میر انیس کے والد میر غلیق فیض آباد میں ۱۷۷۶ء یا ۱۷۷۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور آخری عمر میں لکھنؤ چلے آئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور معنی کی شاعر رہے۔ بقول محمد حسین آزاد چھاندہ سالی کی تکالیف اٹھا کر دنیا سے انتقال کیا۔ پروفیسر اویس نے ان کی تاریخ وفات ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۳ عیسوی بتائی ہے۔ میر غلیق کی غزلیات کا ایک دیوان مکمل ہو گیا تھا لیکن شائع ہونے کی نوبت نہ آ سکی۔ غلیق کی غزل کا مطلع سن کر عمر رسیدہ خواجہ آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی تھی۔

رنگ آئینہ ہے اس رنگ قر کا پہلو

صاف ادھر سے نظر آتا ہے ادھر کا پہلو

میر غلیق کی چودہ غزلیں ”مجموعہ سخن“ کے قلمی نسخہ میں بارہ غزلیں مجمع الانتخاب مطبوعہ ۱۸۷۷ء مطبع نول کشور میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تقریباً ستائیس مختلف مجموعات شعر اور تذکرات میں ان کے بعض اشعار ملتے ہیں۔ پروفیسر اکبر حیدری کشمیری کے ترتیب اور تدوین شدہ ”مرثیہ غلیق“ میں غلیق کی غزلوں اور سلاموں کے نمونے اور تین فیصد مطبوعہ مرثیوں کو شامل کیا گیا ہے۔ میر غلیق کا پہلا اس زمانے کے تین نامور مرثیہ گو شعرا یعنی میر حمیر، مرزا فتح اور دلیر سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ مرثیہ خوانی ان سب سے بہتر تھی۔ وہ چشم و آبرو کے اشاروں، اعضا کے مناسب حرکات سے اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر ایسی کھینچ دیتے کہ سننے والے ان کے انداز بیان میں کھو جاتے۔ میر غلیق کی بیٹیاں پیاری بیگم، ہندی بیگم، آبادی بیگم، ہرزی بیگم اور تین بیٹے میر بہر علی انیس، میر مہر علی اس اور میر محمد

نواب موتس تھے۔ انیس سب سے بڑے تھے۔ لیکن غلّتی کے تینوں بیٹے صاحب دیوان شاعر اور مرثیہ گو تھے۔

میر انیس کے بچھے بھائی میر مہر علی انس ۱۸۰۷ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۸۵ برس زندگی بسر کر کے نکسنو میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام ۳۴ مرثیوں، ۵۰ سلاموں اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں محمود آباد اس نکسنو اور راقم حروف کے پاس انس کے بہت سے قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیے موجود ہیں۔ انس کے بیٹے وحید اور پوتے فرید کے مرثیہ لاجواب ہیں۔ میر انیس کے سب سے چھوٹے بھائی میر محمد نواب موتس ۱۸۱۱ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۶۴ برس کی عمر میں ۱۸۷۵ء میں نکسنو میں انتقال کر گئے۔ آپ کی شعری خدمات میں دیوان غزلیات، مرثیوں کی چھ جلدیں، مجموعہ سلام اور رباعیات شامل ہیں۔ آپ لا ولد تھے۔

میر انیس، کے تینوں بیٹے میر خورشید علی نفیس، میر محمد عسکری ربیع اور میر محمد سلیم شاعر تھے۔ جن میں میر نفیس نے بڑا نام کیا اور انیس کی زندگی ہی میں اپنا الگ چراغ جلا کر پروانوں کو جمع کیا۔ میر خورشید علی نفیس ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں اپنے باپ کے پانچن حرار دفن ہوئے۔ ان کو ”خطیب منبر بلاغت“ کہا جاتا تھا۔ نفیس کی تصنیفات میں ایک سو سے زیادہ مرثیے، سلاموں کا مجموعہ ”ہدیہ ہمیش بہا“ رباعیات، نوحہ جات اور مناجاتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ ”ریاض العابدین“ بھی لکھا۔ میر افضل حسین تجم سیتا پوری نے دو تاریخیں وفات کی نکالیں ”چھپا آہ خورشید اوج معانی“ (۱۳۱۸ ہجری) اور ”ہو گیا ملک شاعری تاریخ“ (۱۳۱۸ ہجری)

میر محمد عسکری ریچس کی تاریخ دفات ۲ دسمبر ۱۸۹۱ء مسجل ہے۔ آپ کی تصنیفات میں ہائیکس (۲۲) مرعے، چند سلام، غزلیں اور رباعیات شامل ہیں۔ ان کا زیادہ تر کلام غیر مطبوعہ ہے۔ لقمہ طباطبا کی مرثیہ انیس جلد اول مطبوعہ نکھائی پریس میں کہتے ہیں کہ ریچس اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے۔ میر انیس نے مرثیہ ع: ”تمکب خوان نظم ہے فصاحت میری“ کہہ کر اس میں ریچس کا نام مطلق میں ڈال دیا تاکہ ان کو شوق پیدا ہو اور یہی ذریعہ معاش ہو جائے۔ لیکن مرثیہ میں بے انتہا چغلی محی اور لوگوں نے یقین نہ کیا کہ یہ مرثیہ ریچس کا ہے اگرچہ اس میں ایک مصرعہ میں ریچس کی عمر اور کلام کی نسبت سے ع: ”مہندی ہوں مجھے تو قیر عطا کر یارب“ تھا تو دوسری طرف ریچس ہی کی پشت کی نسبت یہ شعر بھی شامل تھا۔

عمر گزری ہے اسی دشت کی سناچی میں

پانچویں پشت ہے مہر کی مداحی میں

یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ راقم کے پاس دو قلمی مرعے ہیں جو میر ریچس کی زندگی اور ان کی دفات کے دو سال بعد لکھے گئے جن پر تصنیف انیس اور مطلق میں بھی تخلص انیس ہی درج ہے۔

دیے بھی اگر میر ہدایت کو شاعر تسلیم کر لیا جائے تو خود میر انیس کی پانچویں پشت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دولہا صاحب مردج نے جو انیس کے پوتے تھے خود کو ع: سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں“ کہا تھا۔ میر محمد عسکری ریچس بھی لکھنؤ میں انیس کے پانچویں مزار دفن ہیں۔

میر انیس کے چھوٹے بیٹے میر محمد سلیم ۱۸۲۹ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے

اور ترسٹھ برس کی عمر میں ۱۸۹۰ء میں لکھنؤ میں باپ کی پانچمین دفن ہوئے۔ سلیس کی تصانیف میں جو کچھ باقی ہے اس میں سولہ سترہ مرچے، کئی غزلیں سلام اور قصائد شامل ہیں۔ میر سلیس کے کلام میں پختگی زیادہ تھی اور بقول شاد عظیم آبادی ”اگرچہ دوران قیام فیض آباد اور انیس کے انتقال کے بعد بھی انھوں نے کئی مرچے نہایت مربوط کہے تھے لیکن ان کے ہم عصر یہی سمجھتے رہے کہ وہ اپنے والد میر انیس ہی کا کلام پڑھتے ہیں۔“

میر انیس کے پوتے اور میر انیس کے بیٹے سید خورشید حسن عروج ۱۲۸۲ھ ہجری میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ برس کی عمر گزار کر ۱۳۳۸ھ ہجری مطابق ۱۹۳۰ء میں مقبرہ میر انیس لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ”عالی مقام وزعت منبر عروج بود“ (۱۳۳۸) ہے دولہا صاحب عروج کی اولی خدمات میں بنگیوس مرچے، سلام اور رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دولہا صاحب کا مرثیہ پڑھنے کا انداز بہت دلکش اور رعب دار تھا۔ جب دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی نے میر انیس کے مرثیوں کی ترتیب کے لئے دولہا صاحب سے رجوع کیا تو دولہا صاحب نے اس کام کے لئے دس ہزار روپیوں کا مطالبہ کیا جو اشاعتی کمیٹی نے قبول نہیں کیا اور بعد میں اس کام کو نظم طباطبائی کے سپرد کیا گیا، جنھوں نے میر انیس کے کلام کو ترتیب دے کر تین جلدوں میں شائع کیا جو ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۳ء اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے۔ دولہا صاحب عروج کے فرزند سید محمد فائز ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ترسٹھ برس کی عمر میں ۱۹۳۶ء میں مقبرہ میر انیس میں دفن ہوئے۔ فائز کے تقریباً چودہ ہندو مرچے کچھ سلام اور رباعیات ہیں جو زیادہ تر غیر مطلوبہ ہیں۔ چونکہ فائز صاحب لاد

رہے اس لئے میر انیس کے خاندان کا یہ سلسلہ یہاں پر ختم ہو گیا۔

میر انیس کے خاندان میں دو گروے عظیم شعر امیر وحید، میر جلیس، میر غیور، قدیم لکھنوی، جلیل لکھنوی میر مانوس، میر عارف، ذکی لکھنوی، فرید لکھنوی، قاتق لکھنوی اور لائق لکھنوی قابل ذکر ہیں جو اس کشن مرثیہ کو اپنے قلم کی رنگینی اور خیالات کی خوشبو سے رشک شاعری بناتے رہے۔ اگرچہ آج میر انیس کی اولاد سلب موجود نہیں لیکن ان کے فرزند ان روحانی یعنی ”اشعار“ رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اسی لئے تو ذوق نے کہا تھا:

رہتا سخن سے نام قیامت تک ہے ذوق

اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

میر انیس کی ولادت

میر انیس فیض آباد کے محلے گلاب باڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ میر خلیق کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے جو ۱۲۱۶ ہجری اور ۱۲۳۰ ہجری کے درمیان ہے۔

جناب شبلی نعمانی، جناب مسعود حسن ادیب، جناب فخر مسعود رضوی اور ڈاکٹر اکبر حیدری نے تاریخ ولادت ۱۲۱۸ ہجری بتائی ہے۔

میر انیس کی ماں بیکا بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جنھیں عربی، فارسی اور اسلامیات میں اچھی دستگاہ حاصل تھی کہ میر انیس کی ابتدائی تعلیم انہی کے ذریعہ ہوئی۔ وہ خود دار خوش اخلاق، متقی و پرہیزگار خاتون تھیں اور ان کی سراسر زندگی

دوسری صورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ یہ میر انیس کی والدہ کی تعلیم و تربیت کا ہی اثر تھا کہ میر انیس کو اسلامی اقدار اور اپنے مذہبی عقیدے سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ اسی نمونہ کی آغوش کا بھی اثر تھا کہ ان کے تیوں بیٹے، کئی پوتے اور نواسے عظیم اردو ادب کے شاعر بن کر ظاہر ہوئے اور اس صنفِ سخن کو جو اعلیٰ اقدار انسانی اور کردار نورانی سے بھر پور تھی اردو شعر و ادب کو مالا مال کر دیا۔

تعلیم و تربیت:

میر انیس ابتدائی اردو فارسی اور عربی تعلیم کو اپنی ماں سے حاصل کرنے کے بعد درسیات میں حکیم میر کلو کے شاگرد ہوئے۔ مرحوم مسعود حسن ادیب کہتے ہیں کہ ”میر انیس نے درسیات کی ابتدائی کتابیں سید نجف علی قبلہ فیض آبادی سے پڑھیں۔ سید نجف علی کشمیری بڑے جید شیعہ عالم تھے وہ تعلیم کتب درسیہ اور علم قرأت میں بے مثل اور لامتناہی تھے۔

مولانا نجف علی علم طب میں کامل اور شاعر بھی تھے۔ وہ بائیس (۲۲) سے زیادہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲۵۴ ہجری میں ہوا اور قطعہ تاریخ وفات ”اے ہے سید نجف علی فاضل“ سے نکلتی ہے۔ کہتے ہیں میر انیس نے عربی تعلیم کی تکمیل مولوی حیدر علی صاحب کے زیر نگرانی کی جو خلی عالم تھے۔

مراثی میر انیس جلد دوم میں نظم طباطبائی لکھتے ہیں: ”میر انیس کے کلام سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم متعارفہ سے ناواقف نہ تھے۔“ پروفیسر ادیب لکھتے ہیں کہ ان کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی استعداد کے بارے میں

مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

الف: وہ عربی زبان بہ خوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور بر محل استعمال کرتے تھے۔ عربی صرف و نحو کے مسائل کی طرف جا بجا اشارہ کرتے ہیں۔ عربی اقوال اور امثال وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔

ب: قرآن اور احادیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات اور احادیث ان کے ترجمے، ان کی طرف اشارہ و تفسیر و حدیث کی کتابوں کے نام راویوں کے حوالے یہ سب چیزیں ان کے کلام میں موجود ہیں۔

ج: اپنے زمانے کے دوسرے علوم دینی سے بھی واقف تھے۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔

د: فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیے کا ایک ایک مصرعہ ان کی فارسی دانی پر شہادت دیتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک سن علم سے کام لینے کے لیے دس سن عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چار پائے براد کتابی چند" کا مصداق ہو جانا اور چہرے اور علم کو اپنی ذات کا جزو بنالینا اور اس پر حاکمانہ قدرت رکھنا اور بات ہے۔ میر انیس کے نواسے میر علی مانوس جو نو برس کے سن سے پچیس برس تک میر انیس کے ساتھ رہے بیان کرتے ہیں کہ میر انیس کے پاس کوئی دو ہزار کتابیں ہوں گی۔ دو بڑے بڑے صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میر انیس نے غدر کے بعد شاہنامہ فردوسی کا ایک عمدہ نسخہ مطلقاً مصور بخط ولایت دوسو

روپیے کا خریدا تھا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ میر انیس نے منطق و فلسفہ کا درس مفتی میر عباس سے لیا۔ فن سپاہ گری کی تعلیم میر امیر علی سے لی۔ یہ فن آگے چل کر میر انیس کی رزم نگاری میں بڑا مددگار ثابت ہوا۔ میر انیس قاری نظم و نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ قاری نثر پر میر انیس کے خطوط اس بات کا ثبوت ہیں۔ قاری نظم میں دو تاریخی قطعے مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ علامہ مفتی میر محمد عباس کی مشہور من و سلویٰ کی تاریخ طبع چھ اشعار میں لکھی جس کے آخری شعر سے ۱۲۶۳ ہجری کے اعداد نکلتے ہیں:

داو ہاتف این صدای دل پذیر
ہست تاریخش "کلام بے نظیر"

جب ممتاز العلماء فخر الدین سید محمد تقی جنت مآب کے یہاں پونا پیدا ہوا تو میر انیس سے تاریخ کی فرمائش کی۔ سمعاً و طاماً کہہ کر وہ قلیل ارشاد پر تیار ہوئے اور چھ اشعار پر مبنی ایک قطعہ لکھا جس کے آخری شعر سے ۱۲۸۱ ہجری کی تاریخ نکلتی ہے۔

"چو ارشاد جناب سیدی شد
پے تاریخ کفتم " نیک اختر"

شاعری کی ابتدا:

میر انیس نے گیارہ بارہ برس کی عمر ہی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ وہ

پہلے غزل گوئی کی طرف مائل تھے اور اپنا کلام اپنے والد خلیق اور چچا میر غلق کو دکھاتے تھے، پھر کچھ عرصہ کے لئے شیخ ناسخ کو غزلیات میں اپنا استاد بنایا۔ جب غزل میں پختگی آگئی اور فیض آباد کے مشاعروں میں آپ کی قدر ہونے لگی تو شفیق باپ کی نصیحت سن کر غزل سے مرثیہ گوئی کی طرف رخ کیا۔ آپ حیات میں مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

”جب میر انیس کہیں مشاعرے میں گئے اور غزل پڑھی وہاں بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ سن کر دل میں باغ باغ ہوا اور ہونہار فرزند سے پوچھا کہاں گئے تھے۔ انہوں نے حال بیان کیا۔ غزل سنی اور فرمایا کہ ”بھئی اب اس غزل کو سلام کرو اور اس مشغلہ میں زور طبع صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔“

شیخ ناسخ نے میر بہر علی کا تخلص حزیں سے بدل کر انیس کر دیا۔ اس واقعہ کی تائید میں سید مہدی حسن احسن ”واقعات انیس“ میں لکھتے ہیں کہ جب انیس نے اپنے والد کی موجودگی میں ناسخ کے سامنے اپنی غزل کا شعر پڑھا:

کھلا باعث یہ اس ہے درد کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

تو ناسخ جھومنے لگے اور فرمایا۔ یہ فرزند رشید آپ کے یادگار خانمان ہوں گے اور یاد رکھئے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔ مگر بجائے حزیں کوئی اور تخلص ہونا چاہیے۔ میر خلیق نے فرمایا۔ آپ ہی کوئی تخلص جو بیز کر دیجیے۔ ناسخ نے تھوڑا سا سکوت کیا اور پھر کہا مجھے تو

”انیس“ پیارا لگتا ہے۔ میرا انیس نے بہ کمال ادب سلام کیا اور اُس روز سے انیس ہو گئے۔

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ میرا انیس مرحوم نے بچپن میں ایک بکری پالی تھی جس کو بہت چاہتے تھے۔ جب وہ مری تو ان کو بہت ملال ہوا اور اس کے مرنے پر یہ شعر فرمایا:

افسوس کہ دنیا سے سز کر گئی بکری
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مر گئی بکری

جب میرا خلیق کو خبر ہوئی تو ہونہار بیٹے کو بلا کر کمر اس شعر کو پڑھوایا۔ تعریف سے دل بڑھایا اور اس خوشی میں کہ صاحبزادے نے پہلے پہل شعر کہا ہے۔ اپنے بیکانوں میں مثنوی تقسیم کی اور بڑی دھوم دھام سے انیس مرحوم کی شاعری کی یہ بسم اللہ ہوئی۔

پروفیسر ادیب لکھتے ہیں کہ شاعری میں ان کے کسی استاد کا نام نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس فن کے وہ شیعے جو اکتاب سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے اپنے بڑے چچا میر خلیق اور والد میر خلیق سے سیکھے ہوں گے۔ مگر انھوں نے چاہا میر خلیق اور ان کے اجراع کا ذکر کیا ہے۔ مشہور ہے کہ میرا انیس اُس روایت کو جس میں حضور اکرمؐ فرط شفقت سے امام حسینؑ کے لئے اونٹ بننا چاہتے تھے نظم کر رہے تھے اور دوسرا مصرعہ کہ لیا تھا لیکن پہلا مصرعہ جو پسند کے قابل ہو نہیں سکا رہا تھا چنانچہ میر خلیق نے پوچھا بیٹا کیا سوچ رہے ہو۔ انیس نے ٹیپ کا دوسرا مصرعہ پڑھا۔ میر خلیق نے فوراً کہا بیٹا مصرعہ لگا دو۔

جب آپ روٹتے ہیں تو مشکل سے بنتے ہیں
اچھا سوار ہوئے ہم اونٹ بنتے ہیں

فنون سپاہ گری:

مولف "حیات انیس" احمد علی اشہری جو میر انیس کے استاد فن سپاہ گری میر
احمد علی کے محلے میں رہتے تھے ان کی ذہانتی بیان کرتے ہیں کہ میر انیس نے "علی
مد" کلوی کا ٹھاٹ اور ہانک بنوٹ کی کچھ گمانیاں اُن سے سیکیں۔ میر انیس کبھی
نیچے بدن مشق نہیں کرتے تھے بلکہ ورزش کے مناسب کپڑے بنوائے تھے۔ میر
انیس نے امر ازادگان کے ساتھ فیض آباد میں ایک حد تک شمشیر زنی کی مشق کی
تھی۔ اس فن سپاہ گری کی واقعیت نے رزم نگاری میں میر صاحب کی جزئیات بیانی
میں مدد کی۔ میر انیس ہمیشہ ورزش کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ غلوت میں ایک
مخصوص کمرے میں ورزش کرتے جو عموماً ڈنڈے کرنے اور جھکد رہانے پر مشتمل تھی۔

حلیہ

پروفیسر مسعود حسن اویس نے میر انیس کی شکل و صورت کو دو بزرگوں کے
حوالے سے لکھا ہے جنہوں نے میر انیس کو دیکھا اور سنا تھا۔ میر انیس کے حقیقی
نواسے سید علی مانوس نے کہا کہ "میر انیس کا قد درمیانہ، مائل بہ درازی، ورزش کی
وجہ سے جسم ٹھوس، اعضا متناسب و چست، چھریا بدن، چوڑا سینہ، سر اجی دار
گردن، خوبصورت کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، گہواں رنگ، مونچھیں ذرا بڑی،

واڑھی اتنی باریک کتر لاتے تھے کہ دور سے منڈی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے بزرگ مولوی عبدالحی صاحب مرثیہ خوانی میں میر انیس کے شاعر بھی تھے کہتے ہیں ”میر انیس کا قد لہا میانہ سے کچھ زیادہ تھا۔ اُن کا بدن چست ٹھوس اور چھریا تھا واڑھی منڈواتے تھے۔“

حیات انیس میں امجد علی اشہری میر انیس کی شکل و صورت کے بارے میں لکھتے ہیں: ”میر انیس کا قد لانا چھریا، متناسب الاعضا تھا۔ سر کے بال باریک اور ملائم چہرہ خوبصورت اور کتابی، رنگ کھلا ہوا گندمی، آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت جن کی خوش آب سفیدی زمس کا لطف دیتی تھی۔ آنکھوں کے تور سے غیورانہ حالت ظاہر ہوتی تھی۔ پتلی کی روشنی بہت تیز تھی۔ مونچھیں بڑی بڑی انگنڈہ مو، واڑھی صاف، گردن صراحی دار، سینہ کشادہ اور عریض مگر زیادہ ابھرا ہوا نہ تھا۔ میر انیس کی چال نستعلیق تھی۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ ”جب میرے دوست حافظ حکیم سید احمد شاہ مرحوم لکھنؤ میں حکیم علی صاحب سے طب پڑھتے تھے انھوں نے مجھ کو لکھ بھبا کہ اب کہ قرینے میر انیس کی صحت کا نہیں ہے تو میں نے گھبرا کر میر موس کو لکھا کہ جس طرح ہو سکے میر صاحب کا ایک فوٹو لے کر مجھ کو بھیج دیجیے۔ میر موس نے میر صاحب کو میرا خط دکھایا۔ کوئی صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ حضور مشکور الدولہ ہیں ان کو بلوالیجے۔ دم بھر میں فوٹو لے لیس گے۔ ان سے کہا کہ میں تو ہرگز تصویر نہیں چاہتا مگر ایسے شخص نے لکھا ہے کہ عذر نہیں کر سکتا۔ آپ ہی مشکور الدولہ کو سلام کہہ دیجیے اور کہیے کہ میر انیس نے بلوایا ہے۔ دوسرے دن مشکور

الدولہ اپنا سامان لے کر آئے اور چاہا کہ اسی حالت کی تصویر لیں مگر میر صاحب نے نہ مانا۔ یہ مشکل کرسی پر بیٹھے فوٹو لیا گیا۔ میر موس نے ان سب حالات کو لکھ کر دو فوٹو مجھ کو اور دو نواب بہادر کے پاس بھیج دئے۔ ان دنوں زیادہ دن رہنے سے فوٹو کا رنگ اڑ جاتا تھا۔ کئی سال کے بعد یہی خرابی ہمارے یہاں فوٹو میں ہونے لگی تو اپنے شہر کے ہنر ا دو مانی وقت میر ذاثار مہدی مرحوم کو بلا کر ایک مہینہ تک اپنا مہمان رکھا اور اس فوٹو کی نقل سے ایک آئل پینٹ (oil Paint) یعنی ایک بڑی روغنی تصویر کھینچوائی اور جو حضرات اس زمانہ تک میر انیس کے دیکھنے والے تھے ایک ایک کر کے سب نے دیکھا اور اچھی طرح سے جانچ لی گئی تو ایک نقل میر انیس مرحوم کو بھیج دی۔ انھوں نے بھی بہت پسند کیا۔ اب تک میرے کمرے میں موجود ہے۔

معتبر ذرائع سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ قد آدم روغنی تصویر شاد عظیم آبادی کے ہال کمرے میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء تک لٹکتی رہی مگر جب ڈزلے میں گر گئی تو مرمت کر کے اس جگہ آویزاں کیا گیا جو ۱۹۳۰ء میں برسات کی وجہ سے چھت گر جانے سے ملبہ میں رہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کسی نے اس جانب توجہ بھی نہ کی، لیکن ہو بہو یہی تصویر پیارے صاحب مرحوم رئیس مظفر آبادی کے تین گھاٹ والے مکان میں موجود تھی۔ خدا جانے یہ تصویر کیا ہوئی؟

پروفیسر غیر مسعود رضوی ”بزم انیس“ میں کہتے ہیں کہ انیس کی مستند ترین تصویر وہ ہے جو ان کے ایک قدردان نے کسی با کمال مصور سے ہاتھی دانت کی تختی پر بنوا کر ان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ میر انیس کی جو تصویریں عام طور پر چھتی رہتی

ہیں وہ اسی ہاتھی دانت والی تصویر کا نقش مستار ہیں لیکن ان نقوش میں اصل کے موکلم کی باریکیاں نہیں آسکیں۔ اصل تصویر میں میر انہیں کی غلافی آنکھیں، آنکھوں کے نیچے باریک جھڑیاں رخساروں کی ہڈیوں کا ہلکا سا ابھار، ذرا پھلے ہوئے نتھنے اور بچے ہوئے پتلے پتلے ہونٹ مل کر ایک ایسے شخص کا تاثر پیدا کرتے ہیں جو بے حد ذکی الحس اور ارادے کا مضبوط ہے۔ یہ تصویر میر خورشید علی نقیس کے نواسے میر علی محمد عارف کے خاندان میں موجود تھی۔

وضع اور لباس

میر انہیں کی وضع خاص مشرقی لباس سے مرکب تھی۔ انہیں کے لباس کے بارے میں ان کے نواسے سید علی مانوس نے پردیسراویب سے بیان کیا کہ ”سر پر حباب کی شکل کی قالب پر چڑھی ہوئی ٹوپی جو گرمیوں میں سفید اور جازوں میں ریشمی کام کی رنگین ہوتی تھی۔ نچا نچا خوب گھیر دار کرتا جو گھٹنوں سے کچھ نیچا اور سفید رنگ کا ہوتا تھا، جامدانی یا ملل کا گرمیوں میں صرف یہی کرتا مگر جازوں میں انگر کے کی قطع کاروائی دار۔ گرمیوں میں ڈھیلی مہری کا سفید پاجامہ جسے عرض کا پاجامہ کہتے تھے۔ جازوں میں اسی وضع کا ریشمی رنگین پاجامہ جو اوڑے سبز یا گلابی شروع کا ہوتا تھا یا گل بدن کا گھر میں زرد نخل کا گھیتلا جوتا۔ باہر اسی وضع کا زردوزی جوتا جو اس وقت کچیس تیس روپے کا بنتا اور اکثر کارنگر گھر پر بلوا کر بنوایا جاتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رد مال۔ کبھی کبھی دوپٹا بھی کندھے پر آڑا کر کے ڈال لیتے تھے۔ امجد علی اشہری کہتے ہیں۔ میر صاحب نے اپنے لئے وہ لباس اختیار کیا

تھا جو آخر وقت تک اُن کے جسم پر موزوں رہا اگرچہ اس دوران لکھنؤ کی وضع میں کئی تغیرات آئے اور زبان نے کئی رنگ بدلے، لیکن میرا انہیں کی وضع ان کی زبان کی طرح وہی رہی جو پہلے تھی۔ میرا انہیں سر پر پنج گوشہ ٹوپی لگاتے تھے۔ کبھی گول پردہ کا انگر کھا زیب جسم فرماتے تھے اور لکھنؤ کے عام رواج کے موافق غرارہ کا ڈھیلا پاجامہ پہنتے تھے۔ ہاتھ میں پتلی چھڑی اور سفید رومال ہوتا تھا۔

پابندی اوقات

میرا انہیں ایک خاص رکھ رکھاؤ اور پابندی اوقات کے بے تاج بادشاہ تھے۔ وہ خود بھی وقت کی پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی یہی امید کرتے تھے۔ وہ اپنے بے تکلف روزمرہ ملنے والے افراد حتیٰ کہ خاندان والوں اور بھائیوں سے ایک خاص وضع سے ملتے اور کسی کو بھی حدِ ادب سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ”حیات انہیں“ کے مولف امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ خود انہوں نے میر خادم علی اور نواب بدھمن صاحب جیسے اکابر لکھنؤ سے سنا ہے کہ میر صاحب تک پہنچنے اور ان سے ہم کلام ہونے کے لئے درباری قسم کے چند قواعد کی پابندی لازم تھی۔ کوئی یوں بے تکلف سامنے نہ جاسکتا تھا جب تک کہ میر صاحب اس کے آنے کی اجازت نہ دیں یا ملاقات کا وقت مقرر نہ ہو جائے۔ میر خادم علی سے ملاقات کے لئے انہیں نے رات کا وقت مقرر کیا تھا۔

اخلاق و کردار

میر انیس سادہ مزاج خوش مشرب اور پُر خلوص فرد تھے۔ ان کی شخصیت بڑی دل نواز اور ان کی صحبت بڑی خوشگوار ہوتی تھی۔ میر حامد علی کے قول کے مطابق میر انیس نہایت خوش گفتار تھے۔ جب تک وہ گفتگو کرتے رہتے تو کوئی بھی شخص کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میر انیس کے حیدر آباد کے سفر کی روداد کا ذکر کرتے ہوئے جناب شریف العلماء مولوی سید شریف حسین خاں صاحب اپریل ۱۸۷۱ء میں میر انیس کے ساتھ اپنی ہم نشینی کے بارے میں کہتے ہیں "میں عرض نہیں کر سکتا ہوں کہ میر صاحب کی صحبت میں کیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ وہ بڑے غیور، خوش اخلاق، نیک مزاج اور نہایت خوش صحبت ہیں کہ انسان ان کی باتوں میں محو ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی بات کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔" شاہ عظیم آبادی جنھوں نے میر انیس سے کم از کم پچیس بار ملاقات کی تھی فکرِ بلخ میں میر صاحب کے اخلاق اور مزاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "میر انیس ہرگز بد مزاج، خود پسند اور بداخلاق نہ تھے۔ جب ملا اور صحبتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ان سے زیادہ خوش مزاج، منکسر، خوش اخلاق شاید ہی کوئی ہو۔ خندہ روئی کے ساتھ لوگوں سے جھک کر صاحب سلامت اور تعظیم کرنا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر جناب اور آپ حضور کے کلمے سے مخاطب کرنا، اہل فن کی حرمت کرنا اور بزرگوں کے نام کو تعظیم کے ساتھ لینا اس کا ثبوت ہے۔"

میر انیس کی خاص عادت تھی کہ وہ کبھی کسی کی غیبت کو گوارا نہیں کرتے

تھے۔ جب عظیم آباد میں ایک سائل نے میر انیس کے سامنے کہا کہ مرزا دیر کیا ہیں اور آپ سے کیا مقابلہ کر سکتے ہیں تو میر انیس مضمر ہو گئے۔ اٹھے کمرے میں گئے اور دو روپے لے کر نکلے۔ ان کو بلا کر کہا۔ سید صاحب! مرزا دیر نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ آپ کے جد کا مرثیہ کہتے ہیں۔ دیکھئے بھر آئندہ ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالئے خاص کر میرے سامنے۔ جب سید صاحب چلے گئے تو کہنے لگے اچھے پڑھے لوگ بھی اس عیب میں جھٹلا ہیں کہ میں خوش ہوں گا۔ حالانکہ مجھ پر الٹا اثر ہوتا ہے۔ مرزا دیر نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ کیا میرے لیے وہ مرثیہ کوئی ترک کر دیتے۔ کیا میر انیس کے اس اخلاق و انکساری کا جواب مل سکتا ہے؟ جب مشہور سلام ”سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو“ کے سلسلہ میں مولس نے مرزا دیر پر طعنہ دیا تو میر انیس خفا ہوئے اور مولس کو مرزا دیر کے پاس بھیجا تاکہ معافی مانگیں۔ اسی طرح مرزا دیر اپنے شاگرد مشیر کھنوی پر خفا ہوئے اور میر انیس کے پاس بھیج کر معافی مانگی۔

میر انیس کا شعری ذخیرہ

آج سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر بھی فارسی ادب میں فردوسی کی فرضی داستان کے پچاس ہزار اشعار پہ مشکل ”شاہ نامہ“ میں موجود ہیں۔ لیکن اسے زمانے کی ستم ظریفی کہیے کہ ابھی میر انیس کا کفن میلہ بھی نہ ہوا تھا کہ ان کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا۔ میر انیس نے یہ کہہ کر ”جاگیر ظلمہ لینا ہے اس کا صلہ مجھے۔“ اس کی حفاظت اور طباعت کی طرف چنداں توجہ نہ کی۔ خاندانی افراد نے بھی اس کی

جمع آوری کی کوئی خاص کوشش نہ کی بلکہ مولف ”حیات انیس“ امجد علی اشہری سے میرا انیس کے سکے بھائی میر مہر علی اس نے سعدی کا شعر پڑھ کر اس پہل نگاری کی تمام تر ذمہ داری خاندان پر رکھی۔

ہر کس از دست غیر تالہ کند

سعدی از دست خوشن فریاد

میرا انیس نے گیارہ بارہ برس سے شعر گوئی شروع کی تھی۔ چنانچہ ساٹھ سال کی ریاضت کی مقدار زیادہ تھی کیوں کہ انیس نے تمام عمر مرثیہ کہا اور اپنی عمر عزیز کے روز و شب اسی شغل نیک میں صرف کر دیے۔ ”حیات انیس“ میں امجد علی اشہری انیس کے مرثیوں کی تعداد ہزاروں بتاتے ہیں۔ خود انھوں نے دو ڈھائی سو مرثیے دیکھے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد ”آب حیات“ میں مرثیوں کی تعداد دس ہزار بتاتے ہیں۔ ”یادگار انیس“ میں امیر احمد علوی نے میرا انیس کے مرثیوں کی تعداد لگ بھگ چودہ سو بتائی ہے۔ ”فکر بلخ“ میں شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں۔ ”میر صاحب نے ایک ہزار سے زیادہ مرثیے نظم کیے اور اسی قدر یا اس سے کچھ کم سلام و رباعیات۔ پھر مرثیہ بھی زیادہ تر دو دو سو اکثر تین تین سو بند۔ ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط و احتیاط سے لے کر آتے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر عقل ٹنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوب صورتی اور بے تکلفی سے جن کر بہ سلیقہ و ترتیب جمع کر لئے تھے کہ اب جو چاہے اپنے دامن فکر میں بے کھنک بھر لے۔“

مرحوم ڈاکٹر صدر حسین اس وقت موجود مراٹھی انیس کی تعداد ۲۵۰ کے قریب

بتاتے ہیں۔ پروفیسر نیر مسعود "ہزم انہیں" مطبوعہ ۱۹۹۰ میں میر صاحب کے مطبوعہ مراٹھی کی تعداد تقریباً دو سو، سوا سو کے قریب سلام، کوئی چھ سو رباعیاں چند منقحیں، نوے، فارسی میں بعض قطعات اور کچھ خطوط کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بتاتے ہیں۔ ایسیات کے بعض علما نے غزلیات کے تقریباً ۱۳۳ اشعار بھی میر صاحب سے منسوب کیے ہیں۔ جو چار غزلوں اور کچھ مفرد شعروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحقیق کے بموجب مراٹھی ۱۰۳، ۲۱۳ سلام، ۱۳ نوے اور درجن بحر تفسیحات بھیاجات کے علاوہ رباعیات ۵۷۹ ہمارے درمیان مطبوعہ حالت میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی انہیں سے منسوب ہے۔ شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں۔ "آج کل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاتا ہے کہ اس نے اور شعرا سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کیے ہیں۔ اگر ہم بھی اس کو معیار کمال قرار دیں تو بھی میر انہیں کو اردو شعرا میں سب سے بہتر ماننا پڑتا ہے۔ اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے شاید میر انہیں سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف انہیں کے کہ اس کے ہر لفظ اور محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔" حالی کا یہ جملہ "نظیر اکبر آبادی نے شاید انہیں سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں" کو، کورانہ بغیر تحقیق کے دوسرے علمائے ادب نے استعمال کرتے ہوئے لفظ شک "شاید" بھی نکال دیا۔ راقم نے اس امر کی تحقیق کے لیے کلیات نظیر اکبر آبادی چھاپ کھنوی ۱۹۲۲ء کا مطالعہ کیا جو ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ نظیر اکبر آبادی

(متوفی ۱۶ اگست ۱۸۲۰ء) کے دو اردو دیوان، ایک فارسی دیوان اور سات فارسی مضامین ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے کلیات میں تقریباً سات ہزار اشعار ہیں۔ ان کا پہلا دیوان جس کی بابت مشہور فرانسیسی مستشرق کارساں دی تاسی نے لکھا تھا وہ دیوناگری رسم الخط میں ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا۔ اب عفا ہے۔ نقیر اکبر آبادی کے سوانح نگار پروفیسر شہباز کے قول کے بموجب صرف پانچ فارسی مضامین مخطوطات کی شکل میں دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطات کے سکن میں موجود ہیں۔ ان تصانیف سے اس بات کی تائید نہیں کی جاسکتی کہ نقیر اکبر آبادی نے میر انیس سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔

اگرچہ میر انیس کے جملہ اشعار کا تعین کرنا دشوار ہے لیکن جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ہمارے پاس موجود ہے ان میں کل اشعار کی تعداد اسی (۸۰) ہزار اشعار سے زیادہ نہیں اور اس طرح الفاظ اور اشعار کی تعداد کے لحاظ سے میر انیس اردو شاعروں میں سرفہرست ہیں۔

انتخاب بحر

میر انیس نے مرثیوں کے لئے چار بحرؤں کے اوزان مقرر کر لئے تھے۔ چنانچہ مطبوعہ مرثیوں میں بحر ہزج کے اوزان اربع، مکشوف و مخدوف میں (۸۷) مرثیے، بحر مضارع کے اوزان اربع مکشوف و مخدوف میں (۵۲) مرثیے، بحر رمل کے اوزان پنجوں اور مخدوف میں (۵۳) مرثیے اور بحر جث کے وزن پنجوں ۱ مخدوف میں تین چار مرثیے موجود ہیں۔

مرثیوں کے مطلعے

مراثی میر انیس میں نظم ملاحظہائی نکلتے ہیں کہ انیس نے جو مرثیے ابتدائی عمر میں لکھے وہ مختصر ہوتے تھے اور زیادہ تر اے مومنو یا مومنو سے شروع ہوتے تھے لیکن جیسے جیسے مشق سخن بڑھتی گئی مطلعوں میں نکھار آتا گیا۔ چنانچہ میر انیس کے ۶۷ سے زیادہ مرثیے لفظ ”جب“ سے شروع ہوتے ہیں جن میں کئی شاہکار مرثیے شامل ہیں۔

نظام اوقات

میر انیس کے نواسے سید علی مانوس نے میر انیس کے نظام اوقات کے بارے میں بتایا کہ میر انیس قریب قریب ساری رات جاگتے تھے۔ نماز صبح چاہ کر آرام کرتے تھے۔ کوئی نو بجے سو کر اٹھتے تھے۔ دس گیارہ بجے کھانا کھاتے تھے۔ اس کے بعد میر موسیٰ اور میر نفیس کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ دو بجے کے قریب پھر آرام کرتے تھے۔ عصر کے وقت اٹھتے اور نماز سے فارغ ہو کر دیوان خانہ میں تشریف لے جاتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد مرثیے کی تصنیف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ مرثیہ کہنے کے وقت مکان کے جنوبی رخ کے دوسرے درجے میں تخت پر بیٹھتے تھے۔ سامنے کنول روشن رہتا تھا۔ پہلو میں کتابیں ہوتی تھیں۔ زیادہ تر دو زانو بیٹھتے تھے۔ جب کچھ سوچنے لگتے تو اکثر کہیاں زانودں پر

ہوتی تھیں اور رخسار ہاتھوں پر۔ مرثیہ گوئی کا مشغلہ نماز صبح کے وقت تک جاری رہتا تھا۔ میر بانوس نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میر انیس مرثیہ کہتے وقت چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور خود بولتے جاتے تھے اور کوئی شخص لکھتا جاتا تھا۔

شعراء کی قدردانی

میر حامد علی تقریباً ہر رات نو بجے سے بارہ بجے رات تک میر انیس کی خدمت میں رہتے۔ کبھی کبھی موتس اور نفیس بھی شریک ہو جاتے۔ ان صحبتوں میں زیادہ تر شعر و ادب کے متعلق گفتگو رہا کرتی تھی۔ اچھے اچھے اشعار پڑھتے جاتے اور ان پر تبصرہ کیا جاتا۔ جن میں فارسی کے اشعار زیادہ اور اردو کے کم ہوتے۔ میر انیس ہمیشہ دوسرے شعراء کے اشعار سناتے تھے لیکن کبھی اپنے شعر نہیں پڑھتے تھے۔ ان راتوں کی محفلوں میں شاہنامہ فردوسی کا اکثر ذکر ہوتا۔ میر انیس کو شاہنامہ کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ وہ فردوسی کو خدائے سخن کہا کرتے تھے۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران کسی عالم شخص نے میر انیس کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میر کی شاعری کا پایہ بھی آپ کے سامنے پست نظر آتا ہے۔ انیس نے فرمایا میر غزل کے استاد۔ میں ایک مرثیہ گو۔ انھوں نے کہا جناب عالی میرا قول بے دلیل نہیں، مقابلہ کر لیجئے۔

میر کا مطلع

اس زلف پہ کھو ہو گئے ہم یعنی سر شام سو گئے ہم

اور آپ نے فرمایا

اک آہ میں سرد ہو گئے ہم ٹھنڈی جو ہوا تھی سو گئے ہم
میر کا ایک اور شعر

ہاتھوں پہ تھمزیاں نہیں ہیں
بھری جاے کو جن رہی ہے
آپ نے فرمایا:

یہ تھمزیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف بھری نے
چنا ہے جامِ ہستی کی آسینوں کو
یہ سن کر میر انیس مسکرانے لگے۔ میر انیس غالب سے اور غالب میر انیس
کے کلام سے بخوبی واقف تھے۔ میر انیس غالب کو یگانہ روزگار جانتے تھے اور
قربان علی سا لک شاگرد غالب کے سامنے غالب کو انہی الفاظ سے یاد بھی کیا تھا۔
مرزا غالب کے انتقال پر میر انیس کے قلم سے لکھے ہوئے چار مصرعے ان
کے قلبی تاثرات کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

گزار جہاں سے باغِ جنت میں گئے مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداحِ علی کا مرتبہ اعلا ہے غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے
جب شادِ عظیم آبادی نے خواجہ آتش کی تعریف کی تو ان سے اتفاق کرتے
ہوئے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں وہ ہمارے فیضِ آبادی کے تھے۔ پھر جب شاد
نے شیخ ناتج کے بارے میں کہا تو کہنے لگے۔ دی علم تو ضرور تھے لیکن دل میں

خاک اڑتی تھی۔ شاد نے خواجہ وزیر کے متعلق کہا کہ یہاں لوگ ان کے رنگ پر مر رہے ہیں تو کہنے لگے لکھنؤ کا بھی یہی حال ہے مگر اب لوگ سمجھتے جاتے ہیں۔ میر انیس نے سالک کے سامنے مومن خاں مومن کو اپنی طبیعت کا بادشاہ کہہ کر یہ شعر پڑھا:

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
جگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

تقلید طرز مرثیہ

بعض افراد نے میر انیس کو میر حمیر کا متبع کہا ہے۔ ان لوگوں نے مرثیہ کا ڈھانچہ جو مسدس بیت میں میر حمیر کے دور میں اس کے مختلف اجزاء کے ساتھ تیار ہو چکا تھا اس کو طرز حمیر سمجھ کر ان کے اس شعر کو اس کی سند بتائی ہے۔

دس میں کہوں سو میں کہوں یہ درد ہے میرا

جو بھی کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

لیکن یہاں طرز سے مراد بیت مرثیہ یا اجزائے مرثیہ نہیں بلکہ مرثیہ کی داخلی ساخت ہے۔ چنانچہ جن افراد نے میر حمیر کے مرثیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حمیر کے طرز میں مرثیہ کا چہرا اور سراپا تخیل کی بلندی، معنی آفرینی اور استعاروں کی نمائش ہوتا ہے جب کہ میر انیس کا طرز بیان اس سے بہت جدا ہے۔ اسی لئے تو میر انیس نے کہا تھا:

جدد آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغفل نہ ہو گنجشک نہ ہو تعقید نہ ہو

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے
اجداد با وقار سے میراث پائی ہے
ایک مرچے میں فرماتے ہیں:

خلق میں مثل خلیق اور تھا خوش کوئی کب نام لے دھولے نہاں کوڑ و تسنیم سے جب
ہلہل گلشن زہرا و علی عاشق رب شمع مرثیہ کوئی میں ہوئے جس کے سب

ہو اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر وہ بیرونی ہے
یہ طرز اسلوب انیس اور ان کے خاندان کے لیے مخصوص تھی۔ فرماتے ہیں۔
سچ ہے یہ طرز خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ جانتا نہیں

تلاخندہ

جن افراد نے میر انیس سے اپنے کلام پر اصلاح لی اور خواندگی مرثیہ یکھی
ان میں مولس، بنیس، ریکس اور سلیمس کے علاوہ فارغ سیتا پوری، ڈکی لکھنوی، رفیق

لکھنؤی قابل ذکر ہیں۔ میر انیس کے شاگردوں میں موسیٰ، نفیس، اور فارغ نے نام حاصل کیا۔ فارغ کے صرف ایک مرثیہ پر انیس کی اصلاح ہے۔ فارغ نے ایک مرثیہ ۸۰۰ بند کا لکھا ہے۔

اقامت گاہیں

میر انیس گلاب باڑی فیض آباد میں پیدا ہوئے اور چالیس پچالیس سال کی عمر میں لکھنؤ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فیض آباد میں میر انیس کا گھر محلہ راتھ حویلی جسے ہنگہ بھی کہتے ہیں واقع تھا۔ میر انیس نواب امجد علی شاہ کے زمانے (۱۸۳۶ء) میں لکھنؤ آئے اور لکھنؤ کے مختلف محلوں میں سکونت پذیر ہوئے، جن میں شیدیوں کا محلہ، سہٹی، غلام، پنجابی ٹولہ، منصور نگر، سبزی منڈی، عقب چوک اور محلہ آئینہ سازاں مشہور ہیں۔

ذاتی امام باڑہ

میر انیس نے ۱۲۷۱ھ ہجری میں اپنے بیسوں سے لکھنؤ میں گومتی کے کنارے خوبصورت عزا خانہ تعمیر کر دیا تھا جس میں بیش قیمت تبرکات، علم پتکے اور ضریح موجود تھے۔

افسوس کہ میر صاحب اس عزا خانہ میں دو تین برس سے زیادہ مجلس نہ کر سکے۔ غدر میں گولہ باری کے اثر سے یہ امام باڑہ دوسری عمارتوں کے ساتھ

منہدم ہو گیا اور اس کی تاریخ امام باڑہ کی قسمت بن گئی جہاں ہمیشہ حضرت زہرا کے رونے کی آواز سنی جائے گی۔

منبر پر نشست اور پڑھنے کا انداز

مسجد چشم ویدافراو کے قول کے مطابق میرا نیس منبر کے دوسرے زینہ پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ بعض وقت وہ دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے تو لوگوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ لوہ پڑے زینہ پر بیٹھیں لیکن انھوں نے کبھی اسے پسند نہیں کیا۔ میرا نیس نہایت وقار اور ادب سے منبر پر بیٹھتے تھے اور پہلے نقش تصویر ہو کر چند منٹ تک چپ بیٹھے رہتے۔ مرثیہ پڑھتے وقت گھٹنوں پر سفید رومال ڈال لیتے۔

میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی بے نظیر تھا۔ جب وہ شعر پڑھتے تو شعر کی صورت بن جاتے تھے۔ یعنی شعر میں جو جذبات ہوتے وہ مجسم کی صورت میں لوگوں کی نظروں کے سامنے آ جاتے تھے۔ وہ چشم وابدو کے اشارات اور تہور سے شعر کے جذبات بناتے تھے اور بہت ہی کم جسم کے کسی حصہ کو جنبش دیتے۔ شعر میں اگر غم خوشی حیرت غصہ، رحم، تعجب یا شجاعت کا ذکر ہوتا تو وہ اس کی تصویر بن جاتے۔ یہ طرز مرثیہ خوانی میر صاحب نے کسی سے سیکھا نہیں تھا بلکہ وہ خود اس کے موجد تھے اور یہ عطاء الہی تھی۔ چنانچہ امیر احمد علوی "یادگار انیس" میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شاگرد میرا نیس سے مرثیہ خوانی سیکھنے کی درخواست کرتا تو وہ اس سوال سے منقبض ہو جاتے اور فرماتے "یہ کیا سیکھے گا اور میں کیا سکھاؤں گا؟" یہی یہ

کچھ دیکھنے کا فن ہے؟

مولانا آزادؒ ”آب حیات“ میں لکھتے ہیں۔ ”میر انیس مرحوم کو میں نے پڑھتے ہوئے دیکھا، کہیں اتفاقی ہاتھ اٹھ جاتا یا گروں کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی ورنہ کلام سارے مطالب کے حق پورے کرو جاتا تھا۔“

مولانا امجد علی اشہری مولف ”حیات انہیں“ لکھتے ہیں۔ میں نے میر انیس کو پڑھتے ہوئے سنا وہ فقط اہدو کے اشارے اور گروں کی حرکت سے کام لیتے تھے۔ ان کے اعجاز و وضاحت کے اظہار سے میری زبان کا سر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو کچھ کہ سکے۔ شیخ حسن رضا ”ترویج موازنہ“ میں لکھتے ہیں کہ ”میر انیس کے اندر مرثیہ خوانی میں افراط و تفریط کا نام نہ تھا۔ بنوٹ اور قصع کی ہوائیک نہ آنے پائی تھی۔ تجر اور اشارات مہذبانہ جیسے ان بزرگوں سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا ان کے خاندان میں کسی سے حتیٰ کہ ان کی اولاد سے بھی وہ شان اور وہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔“ خود میر انیسؒ اپنی خوش کلامی کے بارے میں ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

شہرہ ہو سو جو خوش کلامی کا ہے باصفا مدح امام نامی کا ہے
میں کیا آواز کیسی پڑھتا کیسا آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے
مولف حیات رشید، میر انیس کے نواسے جناب پیارے صاحب رشید کی زبانی لکھتے ہیں کہ ”میر انیس کا پڑھنا بہت مہذب تھا۔ وہ صرف آواز کے آثار چڑھاؤ اور اشارات سے کام لیتے تھے۔ شاد عظیم آبادی جنہوں نے میر صاحب کا

شاہکار مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے“ کو بیسویں بند سے عظیم آباد کے عاشور خانہ میں سنا، لکھتے ہیں میر انیس ہال میں پورپ کی طرف ایک چھوٹے سے سیاہ پوش منبر پر پڑھ رہے تھے۔

ع: وہ دشت اور وہ نیمہ زنگارگوں کی شان

وہ دشت کو سر ملی بلند آواز میں ایسا کھینچا تھا کہ وسعت دشت آنکھوں میں پھر گئی۔ اللہ اللہ وہ لفظوں کا ضمیر اور وہ لب و لہجہ وہ لبوں پر مسکراہٹ غرض کس بات کو کہوں۔ اس وقت میر انیس کی جو بات تھی کلمہ کے اندر اتری چلی جاتی تھی۔

مشہور ہے کہ میر انیس جب کوئی مقام رقت آمیز پڑھتے اور جوش گریہ سے بے چین ہو جاتے تو ضبط کی غرض سے نیچے کے ہونٹوں کو دانتوں میں دبالیجے جس سے دائی جانب کا رخسارہ متحرک ہو جاتا تھا۔ ان کا تو اس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلوگیر نہ ہو مگر قدرتا یہ دلفریب ادا دل کو بے تاب کر دیتی۔ رزم پڑھتے وقت چہرے پر جذبات کے نقوش یوں ظاہر ہوتے کہ چہرے کی تھڑیاں مٹ جاتی اور چہرے کی رگ و پے میں خون کا دورہ اس قدر ہوتا کہ چہرہ پر جوانی کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاق کا
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زبان سے چلے

شخص العلماء مولانا ذکاء اللہ صاحب سابق پرنسپل عربی کالج الہ آباد بیان کرتے ہیں ”جب میں الہ آباد کی میرا انہیں کی مجلس میں پہنچا تو عالی شان مکان آدمیوں سے بھر چکا تھا۔ اس لئے میں کھڑا ہو کر سننے اور دور سے ٹھٹھکی باندھ کر۔ میرا انہیں کی صورت اور ان کے ادائے بیان کو دیکھنے لگا۔ میرا انہیں بڑھے ہو چکے تھے۔ مگر ان کا طرز بیان جوانوں کو مات کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر ایک کل کی بڑھیا بیٹھی لڑکوں پر جا دو کر رہی ہے جس کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے اور جب چاہتی ہے ہنساتی ہے اور جب چاہتی ہے رُلاتی ہے۔ میں اس حالت میں دو گھنٹے کھڑا رہا۔ میرے کپڑے پسینہ میں تر ہو گئے اور پاؤں خون اترنے سے شل ہو گئے۔ مجھ کو یہ بات محسوس نہ ہوئی۔ اس سے زیادہ دلچسپ محویت کیا ہوگی۔“

پیری کے ضعف اور ناتوانی میں بھی وہ زور بیانی تھا کہ خود فرماتے ہیں۔

گو بچہ ہوں پر زور جوانی ہے ابھی تک سوکے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
وہاں نہیں، پر تیز بیانی ہے ابھی تک قبضے میں وہ تنگی صفا ہانی ہے ابھی تک

گنا زور مشق سخن بڑھتی گئی۔

ضعفی نے ہم کو جواں کرتا دیا

پروفیسر ادیب لکھتے ہیں کہ میرا انہیں نہایت خوش آواز تھے اور جتنے خوش آواز تھے اُس سے زیادہ کہیں خوش بیان تھے۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اتار چڑھاؤ چہرے کا تغیر، آنکھوں

کی گردش، اعضا کی حرکت یہ سب چیزیں موقع و محل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور بہت کچھ جو لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتا وہ بیان کے انداز سے ادا ہو جاتا ہے۔ انہیں مرثیہ اس طرح پڑھتے تھے کہ کلام کا اثر بدرجہا بڑھ جاتا تھا۔ ایک ایک اشارے سے واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ ان کا پڑھنا سن کر مبہوت و متحیر ہو جاتے۔ عام طور سے مسلم ہے کہ میر انیس کا سا مرثیہ پڑھنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا۔

پہلی مجلس

انیس کی پہلی مجلس کے بارے میں لوگوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انیس کی پہلی مجلس اکرام اللہ خاں کے امام باڑے میں واقع ہوئی جس میں میر غلیق اور میر تمیز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن دونوں بزرگوں کی رائے سے انیس نے یہاں مجلس پڑھی۔ شروع میں انھوں نے ذیل کی رہائی پڑھی تھی۔

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا ظن علم صاحب معراج ملا
منبر پر نشست سر پہ حضرت کا علم اب چاہیے کیا تحت ملا تاج ملا
اگرچہ لکھنؤ کی کئی منتخب مجالس کا ذکر ملتا ہے جس میں تاریخی مجلس محل شامی،
مجلس سرائے معالی خاں، مجلس میاں مہاری، مجلس مسجد چوک وغیرہ وغیرہ یہاں ہم

صرف مجلس چہلم اہلیہ میر حمیر کے ذکر کے بعد عظیم آباد اور حیدر آباد کی مجلس سے ہوتے ہوئے انیس کی آخری مجلس پر بیان تمام کریں گے۔

مجلس چہلم اہلیہ میر ضمیر

مرزا دیر کے استاد میر حمیر نے میر انیس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ان کے عروج کمال کو دیکھتے ہوئے اپنی اہلیہ کی مجلس چہلم میر انیس سے پڑھوائی۔ اس وقت میر انیس کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اس مجلس میں تمام شہر کے امراء رؤساء اور خاص و عام کے علاوہ خواجہ آتش اور خواجہ تاج بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں میر صاحب نے یہ مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

آمد ہے کربلا کے نیساں میں شیر کی
جب میر انیس نے گوار کی تعریف میں یہ بیت پڑھی:

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آمد ہے سپاہی کی جان ہے

تو خواجہ آتش جو پہلے ہی سے جھوم رہے تھے اور جن پر عالم وجد طاری تھا نصف قد سے کمرے ہو گئے اور بلند آواز میں کہا۔ کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو واللہ تم شاعر گرو اور شاعری کا مقدس تاج تھمارے ہی سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔

مجالس عظیم آباد

میر انیس چار سال ۱۸۵۹ء، ۱۸۶۰ء، ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۲ء میں عظیم آباد تشریف لے گئے۔ تین سال آپ نواب قاسم علی خان اور آخر بار ان کے فرزند کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ میر موس بھی جاتے تھے لیکن ایک سال تینوں بھائی عظیم آباد گئے۔ چنانچہ پہلے موس اور پھر انس اور آخر میں میر انیس نے مرہے پڑھے۔ میر انیس نے اپنا شاہکار مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے“ عظیم آباد میں ۱۸۵۹ء میں پڑھا تھا۔

میر انیس حیدر آباد میں

۱۸۷۱ء میں حیدر آباد دکن کے رئیس نواب تہور جنگ بہادر نے انیس کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ میر انیس ۱۰ مارچ ۱۸۷۱ء سے ۱۵ اپریل ۱۸۷۱ء تک حیدر آباد میں رہے۔ پہلی محرم کو انھوں نے مرثیہ سنانے سے پہلے یہ رباعی پڑھی۔

اللہ و رسول کی امداد رہے سرہنزیہ شہر فیض بنیاد رہے

نواب ایسا رئیس اعظم ایسے یارب آباد حیدر آباد رہے

پھر مرثیہ ع: ”بکھدا قارس میدان تہور تھا ٹھٹھ“ پڑھا۔ جب مرثیہ شروع ہوا تو

ایک سماں بندھ گیا اور چاروں طرف داد و کا شور بلند ہوا۔ میر انیس نے پورے

دس دن یکم محرم سے عاشور تک مسلسل مجالس پڑھیں۔ سارا حیدر آباد مشتاق بلکہ

”بھیسے“ ہو گیا۔ کسی مجلس میں پانچ ہزار سامعین سے کم نہ تھے۔ یہاں کے معلم لوگ کہتے ہیں کہ سو برس سے ایسی مجلس اور ایسے مجھے یہاں نہیں ہوئے۔ خاص کرنویں تاریخ کو میر صاحب نے ایک لاجواب مرثیہ پڑھا۔ مطلع ہے ر: ”جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاد کا۔“ تہور جنگ بہادر نے پانچ ہزار روپے نقد نذرانہ دیا۔

آخری مجلس

”حیات انہیں“ میں امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ میر انیس نے آخری مجلس نواب باقر علی خاں صاحب اور نواب جعفر علی خاں صاحب کے شیش محل میں پڑی۔ اس مجلس میں جو مرثیہ پڑھا اس کا مطلع ہے۔ ”جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج“۔

بیماری

میر انیس آنکھوں میں ضعف آنے کے بعد بے حد مضطرب رہنے لگے۔ لوگوں کے اصرار پر پڑھتے۔ کبھی کبھی موتس اور نفیس منبر کے پاس کھڑے رہتے اور بتاتے جاتے تھے۔ اسنے ضعیف ہو گئے کہ ہاتھ تھام کر چلنے کی ضرورت رہتی۔ دانت ہلنے لگے تو تار سے بندھ لیا۔ اکثر تار سے خراش پہنچتی تھی۔ اس وقت بھی عرافت ہاتھ سے نہ جانے دی اور فرمایا دیکھو میں دانتوں میں زبان پڑ گئی ہے۔

سوکھ کر کاٹا ہوا ہوں اے انہیں
پھر بھی دشمن کی نگہ میں خار ہوں

احسن لکھنوی لکھتے ہیں کہ ۲۳ رمضان ۱۲۹۱ ہجری میر صاحب چپ اور درد سر میں مبتلا ہوئے۔ رفتہ رفتہ جگر پر درم آ گیا۔ لکھنؤ کے مشہور اطباء کا علاج جاری رہا۔ آخر میں اسہال کبدی اور دق کی شکایت ہو گئی تھی۔ میر صاحب کا حال پوچھنے کے لیے اسنے لوگ آئے کہ ایک ڈمیر امام خاں کا کمرے میں لگا ہوا تھا۔ موتی کے دیوان فصاحت عنوان میں لکھا ہے کہ میر انیس نے آخری وقت یہ ربائی کہی:

عازم طرف بالا ہوں میں اب اپنے مکاں کو جانے والا ہوں میں
یارب ترا نام پاک چھنے کے لئے گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

وفات

۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۳ء شب جمعہ میر انیس نے انتقال کیا۔ رات کو غسل دیا گیا۔ جناب غفران مآب کے امام باڑے میں قبلہ و کعبہ سید بندہ حسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھوائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی میں نماز صبح سے پہلے سپرد خاک کئے گئے۔

ہجری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیس

اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

بہت سے لوگوں کو خبر نہ ہوئی لیکن پھر بھی ہزاروں غم ساروں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جناب فضل احمد کیف نے فی البدیہہ تاریخ رحلت کہی۔ ”جان بہ شب اذل ذی قعدہ داؤ“ مجلس فاتحہ اور مجلس چہلم سید تقی صاحب کے امام باڑے میں ہوئی۔

چہلم کی مجلس میں جب نفیس نے انیس کی یہ رباعی پڑھی تو رونے کا کھرام بچا۔

دردا کہ فراق روح دتن میں ہوگا تنہا تن ناتواں کفن میں ہوگا
اس وقت کریں گے یاد رونے والے جس دن نہ انیس انجمن میں ہوگا
قاضی عبدالودود مجلہ ”معاصر“ پینے شمارہ ایک میں مضمون ”مرگ انیس“ کے
ذیل میں لکھتے ہیں۔ لودہ اخبار کی خبر کے مطابق حضرت مرزا دبیر میر انیس کی
میت پر جا کر بہت روئے اور فرمایا ایسے معجز بیان، فصیح اللسان اور قدردان کے اٹھ
جانے سے اب کچھ لطف نہ رہا۔

بقول صاحب یادگار انیس (مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۳۱) مرزا
سلامت علی دبیر نے ایک دردناک تاریخ میر باقر سوداگر کے امام ہاڑہ (چوک)
کی مجلس میں پڑھی۔ چشم دید شہادت ہے کہ مرزا صاحب تاریخ کے اشعار پڑھتے
جاتے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرتے جاتے تھے۔

آسمان بے ماہ کامل، سدرہ بے روح الامین

طور سینا بے کلیم اللہ د منبر بے انیس

پورے شعر سے ۱۸۷۴ء نکلتے ہیں۔ مصرعہ ثانی سے ۱۲۹۱ ہجری برآمد ہوتے
ہیں۔ بیسویں صدی کے سب سے بڑے ”ہیپے“ سید مسعود حسن رضوی ادیب نے
دبیر کی یہ تاریخ لوح مزار انیس پر کندہ کروائی۔

مشہور عالم دین میر محمد عباس نے میر انیس ہی کی رباعی کے چوتھے مصرعے
سے مرحوم کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

سال تاریخ بھی گویا کہ کلام ان کا ہے

”ہائے جز خاک نہ بکلیہ نہ بچھوٹا ہوگا“

(۱۳۹۱ ہجری)

ممتاز ادیب و خطیب جناب ضیاء الحسن موسوی نے میر انیس کی لا جواب تاریخ وفات انیس کے ہی مشہور مصرعے سے نکالی ہے۔

اپنے بارے میں حسن فرما گئے ہیں جو انیس اس سے بہتر سال رحلت اور ہو سکتا نہیں

اک صدی کے بعد بھی تاریخ درجی ہے صدا ”جوہری بھی اس طرح موتی پر دسکتا نہیں“

۱۷۷۹ء

۹۵

”صدا“ کے ۹۵ اعداد انیس کے چوتھے مصرعے کے ۱۷۷۹ کے ساتھ ملائے

تو سال وفات $(۱۷۷۹ + ۹۵) = ۱۸۷۴$ ء برآمد ہوگا۔

رباعیات انیس کا اجمالی تذکرہ اور تجزیہ

رباعی اگرچہ نام عربی ہے لیکن یہ صنف شاعری ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ رباعی اردو شاعری کی مقبول ترین صنف تھن نہ ہوتے ہوئے بھی ممتاز صنف مانی جاتی ہے۔ یہ شاعری کی کثر صنف اس وجہ سے بھی ہے کہ اسے صرف ایک بحر ہرج کے چوبیس اوزان میں اور چار مصرعوں میں ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ عربی، فارسی اور اردو میں رباعی کی صفت اور تکمیل ایک ہی طرح کی ہے لیکن دنیا کی دوسری زبانوں میں اس سے ملتی جلتی شکلیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ہندی میں ”چوپائی“ ملتی جلتی چیز ہے۔ ملک محمد جائسی کی ”پداوت“ اسی چوپائی میں ہے۔ سنسکرت میں ”چار جن“ بھی رباعی کے قریب ہے۔ کالی داس کا مشہور ڈرامہ ”میکھ دوت“ چار جن میں لکھا گیا۔ پشتو کی ”چار بیجیہ“ بھی جو چار مصرعوں پر مشتمل ہے رباعی سے ملتی ہے۔ رباعی انگریزی اور فرانسیسی Quatrain کو ازین سے صرف چار مصرعوں میں مشترک ہے جو ایک قسم کا Stanza ہے جس میں کل چار مصرع ہوتے ہیں ورنہ مغربی زبانوں میں ایسی کوئی صنف تھن نہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ دو ہفتی، ترانہ اور چہار مصراع وغیرہ رباعی سے جدا گانہ ہیں اور ان کے اوزان بحر بجز کے چوبیس اوزان میں شامل نہیں۔

رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے اور فارسی سے عربی میں ”دو بیت“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ ڈاکٹر محمد وحید مرزا ”اروڑ باعیات“ میں لکھتے ہیں رباعی کا فارسی نام خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ ایرانی الاصل شعرا کی جدت طبع اور قوت اختراع کا نتیجہ تھی۔ سوائے دو چار محققین فارسی اور اردو جن میں سلیمان ندوی بھی شامل ہیں تقریباً تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی ایرانی الاصل ہے۔ ذیل میں چند معترض حوالے پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر پرویز نائل خاٹری اپنی شاہکار تصنیف ”تحقیق انتقادی اور عروض فارسی“ میں لکھتے ہیں کہ رباعی کا اصل وزن فارسی ہے اور عربی میں ایسا وزن نہ تھا، عربوں نے اسے ایرانیوں سے سیکھا ہے۔
 ”اصل این وزن فارسی است در عرب جنین وزنی بودہ و عرب با آن را از ایرانیان آموختہ اند۔“

۲۔ تاریخ ادبیات فارسی کی مستند تصنیف ”المعجم“ میں محمد قیس بن رازی جو ۲۰۷ ہجری میں زندہ تھا لکھتا ہے کہ جو زحافات وزن رباعی میں موجود ہیں ان کا عربی اشعار میں وجود نہ تھا۔ ”زحافی کہ درین وزن (رباعی) مستعمل است در اشعار عرب نہ بودہ است۔“

۳۔ ”مقیاس الاشعار“ میں اویج لکھنوی نے لکھا کہ رباعی کا وزن پہلے کی عربی

شاعری میں نہ تھا۔

۴۔ ”حدائقِ البلاغت“ کے مصنف نے لکھا ”رباعی را شعرائے نجم اختراع نمودہ اند“

۵۔ ”تکلیفِ عروض و قافیہ“ میں مولوی علی حیدر طباطبائی نے لکھا ”رباعی اصل میں فارسی والوں کا نکالا ہوا ایک وزن ہے۔“

۶۔ محمود شیرانی نے ”تحمیدِ شعر النجم“ میں لکھا ”اصنافِ شاعری میں رباعی اور مثنوی ایرانیوں کی ایجاد تسلیم کی جاتی ہے۔“

۷۔ نجم الغنی ”بحرِ الفصاحت“ میں لکھتے ہیں ”عرب میں رباعی کا دستور نہ تھا یہ شعرائے نجم نے بحرِ بربج سے نکالی ہے۔“

۸۔ پنڈت دتا ترکیانی نے ”کیفیہ“ میں لکھا کہ ”رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے۔“

۹۔ ”مخزنِ الفوائد“ کے مولف لکھتے ہیں کہ رباعی کے اوزان ایرانیوں نے بحرِ بربج سے نکالے ہیں ”اوزانِ رباعی اہلِ نجم از بحرِ بربج برآوردہ اند۔“

اسی طرح ”اردو رباعیات“ میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے ”اردو رباعی“ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ”رباعیاتِ انیس“ میں علی جواد زیدی اور درجنوں دیگر اربابِ عروض و تحمید نے رباعی کو ایرانیوں کی ایجاد تسلیم کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے رباعی کو عربی نزاد بتانے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ اپنی تصنیف ”خیام“ میں عربی کی تصنیف ”لہابِ الالہاب“ جلد دوم سے حظلہ بادغیسی کی دو جنسیں لکھ کر اسے قدیم ترین رباعی کہہ کر رباعی کی ایجاد کو عربی ادب کی دین اور طاہر یہ خاندان

(۲۰۵ ہجری - ۲۵۹ ہجری) کی پیدائش جاتے ہیں۔ اگر ہم مولانا غدوی کے پیش کردہ چار مصرعوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ رباعی کے چوبیس اوزان میں نہیں اس لیے یہ پہلی رباعی نہیں ہو سکتی۔

یارم سپند اگرچہ بر آتش ہی گزند

از بھر چشم تا زسد مرد را گزند

او را سپند و آتش ناید ہی بکار

با روی بھو آتش و با خال چون سپند

ہمیں معلوم ہے کہ مولانا شبلی نے ”شعر العجم“ اور پروفیسر محمود شیرانی نے ”مقتید شعر العجم“ میں اس کی تردید کی ہے۔ شیرانی لکھتے ہیں۔ ”سید صاحب نے دو جہیں تو عونی کی تقلید میں لکھ دیا لیکن الفاظ ”جو رباعی کے وزن پر ہیں“ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ حالانکہ یہ شعر رباعی کے وزن پر ہرگز نہیں۔ رباعی کے اوزان بحر ہزج سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ابیات بحر مضارع میں واقع ہوئے ہیں۔“

فارسی رباعی کی اولیت کا سہرا کس شاعر کے سر باندھا جائے اس ضمن میں بھی علمائے ادب میں اختلاف نظر آتا ہے۔

رباعی کی ایجاد کے سلسلے میں ہمیں دو قدیم روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سلطان یعقوب لیث سفار متوفی ۲۶۵ ہجری کے بیٹے کا قلعہ جس میں جب وہ عید کے دن غزنین میں جوب بازی کر رہا تھا جوب میں سات گویہی میں چلے گئے اور ایک جوب اچھل کر باہر آ گیا اور جب کچھ ہی دیر میں وہ لڑک کر اندر چلا گیا تو لڑکے کی زبان

سے خوشی سے یہ الفاظ نکلے۔

غلاطان غلاطان ہی رود تا لب گو

سلطان یعقوب کو یہ مصرعہ پسند آیا اُس نے اس پر مصرعے لگانے کو کہا چنانچہ اس کے دربار کے دو شاعر ابو دلف اور زینت الکعب نے مل کر اس پر تین مصرعے لگائے اس طرح پہلی رباعی وجود میں آئی۔ اس روایت کا ذکر ”تذکرۃ الشعراء“ ۸۹۳ ہجری میں دولت شاہ نے کیا۔

دوسری روایت میں ابو دلف اور زینت الکعب کی جگہ رودی کا نام لیا گیا ہے۔ قیس بن رازی نے اپنی تصنیف ”المعجم“ ۶۳۰ ہجری میں کسی لڑکے کے اخروٹ کھینے کا قصہ بیان کیا اور پھر اُسے رودی کے نام سے جوڑ دیا۔ ”تذکرۃ الشعراء“ دولت شاہ میں ابو دلف اور زینت الکعب اور سلطان صغار کے لڑکے کی روایت سے متاثر ہو کر سید سلیمان ندوی نے ”خیام“ میں نصیر الدین ہاشمی نے ”حضرت امجد کی شاعری“ کے مقدمہ میں، عزیز لکھنوی نے ”کلام رواں“ کے مقدمہ میں اور سید محمد عباس نے ”رباعیات انجمن“ کے مقدمہ میں رباعی کو عربی نژاد اور ابو دلف اور زینت الکعب کو پہلے رباعی کو شاعر قرار دیا۔ حالانکہ تحقیقات سے ان روایتوں کی صحت کا علم نہیں ہوتا۔ ابو دلف اور زینت الکعب کا ذکر صغار کے دور کے شعرا میں نہیں ہوتا اور اسی طرح رودی متوفی ۳۲۹ ہجری کا وجود بھی نہیں ملتا۔ یہ روایتیں محض فرضی داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے جس کو ایران کے ممتاز ادیب و ماہر عروض پروفیسر ناصر خاٹری نے لکھا ہے کہ رباعی کسی شاعر کی ذاتی

ایجاد نہیں بلکہ اس قسم کے اشعار مدت سے ایران میں رائج تھے ورمصل رباعی قدیم ایران کے ترانہ کی ارتقائی صورت ہے۔ پروفیسر نائل خاطر نے رباعی کے وزن کے قدیم ہونے اور ایرانی ہونے کا مزید ثبوت دیتے ہوئے بتایا ہے کہ کسی بحر میں اس قدر اختیارات نہیں جس قدر ترانہ کی بحر میں ہے اس کی کئی شکلیں ایران میں رائج تھیں اور اس کا وزن کسی ایک شخص نے ایجاد نہیں کیا۔ رباعی ایک ارتقائی صنف سخن ہے۔

علمائے شعر و ادب کہتے ہیں کہ رباعی کا شروع میں نام دو بیتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ”دو بیتی“ تھا چنانچہ قدیم عرب میں اسے ”دو بیت“ کہتے تھے۔ ابن خلدون نے بھی اسے دو بیت لکھا ہے۔ بعض شاعروں نے اسے چار مصرعوں پر مشتمل ہونے کی خاطر ہر مصرعہ کو علیحدہ شمار کر کے ”چار بیتی“ بھی کہا ہے۔ اسے قدیم ایران میں ترانہ کہا گیا اور بقول شیخ محمد اقبال رباعی نام تیسری اور چوتھی بھری میں پڑا۔ اسے بعض مقامات پر جفتی اور چار مصرعائی بھی کہا گیا۔ عام رباعی میں اگر چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں تو اسے غیر نخصی کہتے ہیں یہ مستحسن ہے لیکن اس کا رواج قدیم میں تھا اور آج کل یہ عمل متروک ہے جب تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ ہو تو اسے نخصی کہتے ہیں جو رباعی کی مقبول ترین قسم ہے اگر رباعی کے ہر مصرعہ کے ساتھ ایک ایک فقرہ رباعی کے وزن کا ملحق کرویں تو اسے رباعی مستزاد کہتے ہیں۔

رباعی صرف بحر ہزج میں کہی جاتی ہے۔ ہزج لغت میں اچھی آواز اور گانے کی

آواز کو کہتے ہیں۔ بحر ہزج مفاعیلین کی چار بار تکرار سے پیدا ہوتی ہے۔ عروضیوں نے بحر ہزج سالم سے دس ارکان نکالے اور رہا می کے لیے مخصوص کر دیے ہیں۔ ان میں ایک سالم ہے اور باقی نو زحافات کے ساتھ آتے ہیں۔ رہا می کے ہر مصرعہ میں انہیں دس ارکان میں سے کوئی چار رکن آئیں گے۔ ”حدائق“ میں ابن قیس لکھتے ہیں امام حسن قطان نے رہا می کے چوبیس اوزان کو ترتیب میں لانے کے لیے دو شجرے اخرم اور اخر ب تیار کیے۔ چنانچہ رہا می کے چار مصرع ان میں سے کسی ایک وزن پر لکھے جاسکتے ہیں۔ حکیم محمد نجم الغنی رام پوری نے ”بحر الفصاحت“ میں نقل کیا ہے کہ اس آزادی کے باعث تقریباً تراسی ہزار شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں جن کے اوزان اور ترتیب مصارع میں فرق ہوگا۔ اخر ب کے تمام اوزان مفعول سے اور اخرم کے تمام اوزان مفعولن سے شروع ہوتے ہیں۔

اخر ب	اخرم
۱ مفعول مفاعیلین مفعول فاعل	مفعولن مفعولن مفعولن فاعل
۲ مفعول مفاعیلین مفعول فعل	مفعولن مفعولن مفعولن فاعل
۳ مفعول مفاعیلین مفعول فاعل	مفعولن مفعولن مفعولن فاعل
۴ مفعول مفاعیلین مفعولن فاعل	مفعولن مفعولن مفعولن فعل
۵ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فاعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فاعل
۶ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فاعل
۷ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فاعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فاعل
۸ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فاعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فعل

- | | | |
|----|---------------------------|---------------------------|
| ۹ | مفعول مفاعیل مفاعیلن قاع | مفعولن قاعلن مفاعیلن قاع |
| ۱۰ | مفعول مفاعیل مفاعیلن فع | مفعولن قاعلن مفاعیلن فع |
| ۱۱ | مفعول مفاعیل مفاعیل فاعول | مفعولن قاعلن مفاعیل فاعول |
| ۱۲ | مفعول مفاعیل مفاعیل فعل | مفعولن قاعلن مفاعیل فعل |

اردو رباعی پر گفتگو کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ فارسی رباعی گو شعرا اور فارسی رباعی کے ارتقا پر روشنی ڈالی جائے۔ فارسی شاعری کا گہرا اثر اردو شاعری پر رہا چنانچہ فارسی رباعی بڑی حد تک اردو رباعی پر اثر انداز رہی لیکن اس کے ہوتے ہوئے بھی اردو رباعی بہر حال برصغیر کے حالات، خصوصیات اور تغیرات کی عکاسی بھی کرتی رہی۔ فارسی کا پہلا رباعی گو شاعر کون ہے اس بارے میں علمائے شعر و ادب میں اختلاف ہے۔ مولانا سلیمان ندوی نے اپنی تالیف ”خیام“ میں پایزید بسطامی کو پہلا رباعی گو شاعر، رودکی کو دوسرا اور ابوشکور بلخی کو تیسرا رباعی گو شاعر تسلیم کیا ہے جب کہ پروفیسر محمود شیرانی نے ”آفرین نامہ“ ۲۳۶ ہجری کے مصنف ابو شکور بلخی جن کے حالات عوفی کی ”لباب الالباب“ میں ملتے ہیں پہلا رباعی گو شاعر قرار دیا ہے۔ ابوشکور بلخی سامانی عہد کا ممتاز شاعر تھا جس سے یہ رباعی منسوب ہے۔

ای گشتہ من از غم فراوان تو پست
شد قامت من ز درد بھران تو شست
ای شستہ من از قریب دستان تو دست
خود بچ کسی بھرت و شان تو ہست

رودکی جو سامانی دور کا مشہور شاعر اور بختی کا ہم عصر تھا انھیں اور ”معیار البلاغت“ کے مصنفین کے مطابق پہلا رباہی گو شاعر تھا لیکن علمائے تحقیق نے رودکی کے کلام کو مشکوک بتایا ہے۔ چنانچہ رودکی کے دیوان میں چھ رباعیات ملتی ہیں وہ سب مشکوک اور الحاقی ہیں۔

چشم ز غمت بھر عشقی کہ بلس
بر چہر ہزار گل ز برازم بگلست
رازی کہ دلم ز جان ہی داشت نہت
اشکم بزبان حال با خلق بگفت

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ رباہی ایک کثر منف شاعری ہے چنانچہ اس ہزار برس کے عرصے میں تین چار ہی فارسی رباہی کے عظیم شاعر پیدا ہوئے جن میں عریضام، ابو سعید ابوالخیر، عطار اور سرمد کے نام سرفہرست ہیں۔ اگرچہ مولانا روم جو صرف اپنی مثنوی معنوی کے باعث شہرت رکھتے ہیں تقریباً آٹھ سو رباعیات کے خالق ہیں۔ کلیات سعدی شیرازی میں ایک سو ستر سے زیادہ رباعیات نظر آتی ہیں۔ حافظ شیرازی، جلی وغیرہ کے دوادین میں رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ سحابی استرآبادی جو صفویہ دور کے ممتاز شاعر تھے انھوں نے سترہ ہزار سے زیادہ رباعیات لکھیں لیکن ان کا رباہیوں کا مجموعہ الگ سے شائع نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی رباعیات ضائع ہو گئیں اور اب کئی رباعیات دوسری کتابوں میں نظر آتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ فارسی کے تقریباً ہر بڑے شاعر نے کم و زیادہ رباعیات لکھیں اور اسی کا نتیجہ کرتے ہوئے برصغیر میں مسعود سعد سلمان

لاہوری، امیر خسرو دہلوی، بڑی قلندر اور سرمد نے رباعیات کے گلشن کو سرسبز رکھا۔ فارسی رباعی کا شہرہ آفاق شاعر عمر خیام جس کی رباعیوں کے ترجمے تقریباً دنیا کی ہر پیش رفت زبان میں ہو چکے ہیں اور انگلینڈ کے شاعر ٹیٹر جیرالڈ کے انگریزی ترجمہ نے ان رباعیات کو فنا ناپذیر شہرت بخشی۔ عمر خیام دور سلجوقیہ کا ممتاز فلاسفہ، مورخ، نجومی اور فقی تھا عمر خیام کو اس کی زندگی میں رباعی گو شاعر کی حیثیت سے شہرت نہیں ملی۔ ڈاکٹر علی دشتی نے عمر خیام سے منسوب تقریباً تین ہزار رباعیات کی کاٹ چھانٹ کر کے صرف ایک سو ۵۵ (۱۷۹) رباعیات کو حتمی طور پر خیام سے جوڑا ہے۔ اگرچہ خیام کی بیشتر ضریرہ رباعیات کی شہرت ہے لیکن واصل خیام نے فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات کا بھی ایک اچھا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ فارسی کے عظیم رباعی گو شعرا میں ابوسعید ابوالخیر کا شمار ضروری ہے۔ ابوالخیر صوفی تھے اور عہد ولیمہ کے رباعی گو۔ ان کی رباعیات تصوفی اقدار سے محروم ہیں اس کے علاوہ انھوں نے عشقیہ، فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات کا عمدہ ذخیرہ جو ایک ہزار رباعیوں سے زیادہ ہے یادگار چھوڑا ہے۔ اسی طرح دوسرے عظیم شاعر فرید الدین عطار نے اپنی شاہکار مثنویوں کے ساتھ ساتھ تقریباً چھ ہزار سے زیادہ رباعیات لکھیں ان کی تصنیف مختار نامہ میں پانچ ہزار سے زیادہ رباعیاں نظر آتی ہیں، جو عموماً مذہبی، اخلاقی، اعتقادی، عشقیہ اور فلسفیانہ مضامین سے لبریز ہیں۔ اگرچہ اس مختصر مقدمہ میں تمام فارسی رباعی گو شعرا کا ذکر ممکن نہیں لیکن نا انصافی ہوگی اگر برصغیر ہند کے نامور صوفی شاعر سرمد کی رباعیات کا ذکر نہ کیا جائے۔ سرمد کا شان ایران سے ہندوستان آئے اور شاہد اور مشہور میں گرفتار ہو کر عشق میں اسیر ہوئے۔ ان کو ایک

ہندو لڑکے سے محبت ہی نہیں بلکہ داراشکوہ سے خاص اُنس تھا جس کی صداقت نے عالمگیری فرمان سے انھیں پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا۔ سرمد کی اغلب رباعیات صوفیانہ، مذہبی عشقیہ، اخلاقی اور سماجی ہیں۔ ہم سرمد کی ایک تصوفی رباعی پر فارسی رباعی کے ذکر کو ختم کر کے اردو رباعی کا دفتر کھولتے ہیں۔

این ہستی موہوم حباب است بہین
این بحر پُر آشوب سراب است بہین
از دیدہ باطن بہ نظر جلوہ گر است
عالم ہمہ آئینہ و آب است بہین

اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۳۰ ہجری اردو کا پہلا رباعی گو شاعر حلیم کیا جاتا ہے جس کے دیوان میں (۳۹) اُنالیس رباعیاں شامل ہیں۔ دوسرا رباعی گو شاعر جس کی دو رباعیاں ملتی ہیں ملک اشعر ملا وجہی جس کی تصنیف ”سب رس“ محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کے پچیس سال بعد لکھی گئی۔ قطب شاہ کی اکثر رباعیات عشقیہ مضامین سے تھی ہیں۔ ہم اس مقام پر محمد قلی قطب شاہ اور ملا وجہی کی ایک ایک رباعی پیش کرتے ہیں۔

تجھ حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تجھ یار کی بہتی سے ہے عشق کوں چال
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دو جا کوئی
کیوں پلوے جگت صفہ میں کوئی تیری مثال
(قلی قطب شاہ)

دنیا کے سوا لوگاں ہیں وفا دستائیں
 دہن دیکھے جفا باز جفا دستائیں
 بے مہری آدم ہے اس سوں اس کی
 دل باندے میں کچھ دعا دستائیں
 (سلا و جہی)

ارض دکن کے قدیم رہاگی گو شعرا میں سراج اور ملک آبادی کے کلیات میں
 چہرہ رباعیات ملتی ہیں جن میں نو (۹) اردو اور چھ (۶) فارسی میں ہیں۔ سراج
 کے ہم عصر ولی دکنی جو شاعری کے باوا آدم کے نام سے مشہور ہوئے چھ رہاگیوں
 کے خالق ہیں۔ اردو رہاگی کی ابتدا اگرچہ دکن سے ہوئی لیکن رہاگی دراصل شمالی
 ہندوستان میں پروان چڑھی۔ دبستان دہلی نے رہاگی کو اپنے آغوش میں لیا اور
 اسے شاعری کی دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ ترقی دی اگرچہ اُس دور میں بھی
 رہاگی گو شاعر کم ہی تھے لیکن اُس دور قدیم کے عظیم شعرا جن میں میر تقی میر، رفیع
 سودا، خواجہ میر درد، اور میر حسن وغیرہ نے رہاگی کو رونق بخشی۔ خواجہ میر درد متوفی
 ۱۱۹۹ ہجری نے اگرچہ اردو میں صرف تیس (۳۲) رباعیات لکھیں لیکن ان کی
 فارسی رباعیات کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ خواجہ درد صوفی منش شاعر تھے ان
 کی رباعیات میں مذہبی، تصوفی، اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین کی کثرت ہے۔

اے درد اگرچہ مجھے میں ہے جوش و خروش
 رچے ہیں ولے اہل تامل خاموش
 موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
 گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

میر تقی میر متوفی ۱۸۰۱ء کی رہاگیوں کی تعداد سو سو سے زیادہ نہیں۔ اغلب

رباعیاں عشقیہ اور مذہبی ہیں لیکن خدائے سخن میر کی رباعیوں میں بھی کم و بیش رباعیات کے فلسفیانہ، اخلاقی اور اعتقادی مضامین کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خوں نا پہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ سہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مرزا محمد رفیع سودا متوفی ۱۱۹۵ ہجری نے ایک سو سے زیادہ رباعیات لکھی ہیں چنانچہ ان کے دیوان میں اتنی (۸۰) کے قریب رباعیاں ملتی ہیں۔ کچھ رباعیات کئی چر یا کوئی کی ”جواہر سخن“ اور کچھ شیخ چاند کی ”سودا“ میں موجود ہیں۔ یہ رباعیات مذہبی، اعتقادی، عشقیہ، تصوفی کے علاوہ تعلیمی اور جہوں کے مضامین سے بھری ہیں۔

سودا ہے شعر میں بڑائی مجھ کو
تشریف سخن عرش سے آئی مجھ کو
عالم تجھے اس فن میں پیہر سمجھا
پوچھا جہلا نے بخدائی مجھ کو

میر حسن متوفی ۱۲۱۰ ہجری، خدائے سخن میر انیس کے دادا اور عمدہ مثنوی سر الہیان بکے خالق نے بھی مختلف رائج الوقت موضوعات پر رباعیاں کہیں جن میں تصوفی، عشقی، اخلاقی، مذہبی اور اعتقادی مضامین ملتے ہیں۔

کیا وحش و طیور و انس و جاں عالم میں
 جو ہیں سو حسن وہ روتے ہیں اس غم میں
 روشن نہ سمجھ ضریح پر قدیلیں
 جلتے ہیں یہ دل حسین کے ماتم میں
 میر سوز متوفی ۱۲۱۳ ہجری نے اپنے دیوان میں چند رباعیات لکھی ہیں۔

واعظ مجھے کعب کی بتاتا ہے راہ
 کرتا ہے صنم کدہ سے مجھ کو آگاہ
 میں کب مانوں ہوں ایسے شیطان کا کہا
 لاحول ولا قوۃ لا باللہ

میر عبدالحی تاپاں متوفی ۱۲۰۰ ہجری نے چودہ (۱۴) رباعیات، جعفر علی
 حسرت دہلوی متوفی ۱۲۱۷ ہجری نے (۵۰۰) نظیر اکبر آبادی نے (۲۲)، مستحق
 متوفی ۱۲۳۰ ہجری نے (۱۶۵)، سعادت یار خاں رنگین متوفی ۱۲۵۱ ہجری نے کئی سو
 رباعیات تحریر کیں انھوں نے صرف الہی بخش معروف کی جہو میں (۱۰۱) رباعیاں
 لکھیں۔

معروف یہ چاہتا ہے کعب جا کر
 حج کر کے کہلائے حاجی آ کر
 سن کر یہ مقصد اس کا رنگیں نے کہا
 تہی چلی حج کو لاکھ چوہے کھا کر

اسی طرح فغان نے (۱۱)، ذوق نے (۱۷)، دماغ نے (۴۱)، شاد نے (۹۵)، رشید نے (۹۹) رواں نے (۱۷۵)، محروم نے (۲۲۵)، جرأت نے (۱۲۵)، مومن متوفی ۱۲۶۸ ہجری نے (۱۲۹)، مرزا غالب متوفی ۱۲۸۵ ہجری نے اردو میں (۱۶) فارسی میں (۱۳۰) امام بخش ناسخ متوفی ۱۲۵۳ ہجری نے (۶۴)، امداد علی بحر کھنوی متوفی ۱۳۰۰ ہجری نے (۳۰)، منیر شکوہ آبادی متوفی ۱۲۹۷ ہجری نے (۸۰)، سید محمد خان رند متوفی ۱۲۷۴ ہجری نے (۱۵)، میر وزیر علی صبا متوفی ۱۲۷۱ ہجری نے (۳)، مظفر علی آسیر متوفی ۱۲۹۹ ہجری نے (۱۱)، آغا حسن امانت نے (۲۰)، عشق کھنوی نے (۱۹۷)، میر انیس کھنوی نے (۵۷۹)، امیر مینائی متوفی ۱۹۰۰ء نے (۴۱)، الطاف حسین حالی نے (۱۲۵)، قاتی نے (۲۰۰)، فراق نے (۳۵۱)، خواجہ دل نے (۵۰۰) اور مہاراجہ کشن پرشاد نے (۲۵۰)، جوش نے (۸۰۰) بادامغصوم نے ایک ہزار اور دہیر نے (۱۳۲۳) رباعیات لکھیں۔

اردو ادب میں سب سے زیادہ رباعیات شاہ غمگین دہلوی متوفی ۱۲۶۸ ہجری نے لکھی۔ اگرچہ شاہ غمگین نے ان رباعیات کو ظاہر نہیں کیا تھا اور مرزا غالب سے بھی ایک خط میں ان رباعیات کو چھپا رکھنے کا وعدہ لیا تھا لیکن بہر حال وہ مجموعہ رباعیات دریافت ہوا چنانچہ ”مکاشفات الاسرار“ جو رباعیات کا مجموعہ ہے، اس میں اٹھارہ سو رباعیات ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً سو رباعیات ان کے غزلوں کے مجموعہ ”مخزن الاسرار“ میں موجود ہیں چنانچہ شاہ غمگین نے اردو میں سب سے زیادہ یعنی سو (۱۹۰۰) رباعیاں لکھی ہیں جن میں متصوفانہ، خمریہ، عشقیہ

اور اخلاقی مضامین نظم ہوئے ہیں۔

میدانِ رباعی سرزمینِ شعر کا میدانِ جنگ ہے جو اکثر شاعروں کی قتل گاہ ثابت ہوا ہے۔ بحرِ ہزج کے اطراف کی چوبیس (۲۴) گھاٹیوں پر پھیلے ہوئے اس سرسبز میدان میں معمولی، کمزور اور بڑے شاعروں کے لاشوں کے ڈھیر تو زیادہ نظر آتے ہی ہیں لیکن اسی میدان میں عظیم فنکاروں کے پاؤں بھی پھلتے نظر آتے ہیں۔ غالب جیسے نامور شاعر اور محتاط استاد فن، جنہوں نے اردو میں کل سولہ (۱۶) رباعیات کہی ہیں اسی میدان میں غموں کو کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ایک رباعی کا مصرعہ:

ع: "دلِ رُک رُک کے بند ہو گیا ہے غالب" ایک سہب خفیف "رُک"

کے اضافہ کی وجہ سے رباعی سے خارج ہو گیا۔ اسی طرح علامہ اقبال کی اغلب رباعیاں، رباعی کی بحر میں نہیں ہیں اور ہم ان کو رباعی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ مولوی سلیمان ندوی کے ادبی فتوے اور ڈاکٹر عنایت اللہ شادانی کی غیر معتبر تفسیر نے انہیں بابا طاہر عریاں کی دو بیتوں کے وزن پر کہی گئی رباعیوں کا جواز دینے کی ناکام کوشش کی لیکن کوئی خریدار پیدا نہ ہوا کیوں کہ بابا طاہر کی دو بیتوں کو ایرانی ادیب محقق اور شاعر نے رباعی نہیں کہا۔ ہمارے کہنے کا حاصل صرف یہ ہے کہ رباعی صرف بحرِ ہزج کے چوبیس (۲۴) اوزان ہی میں کہی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ رباعی کے چاروں مصرعوں میں ہر مصرعہ الگ الگ وزن پر ہو لیکن تمام مصرعے انہی چوبیس (۲۴) اوزان میں ہوں گے۔ اسی لیے رباعی کو شاعری کی کفر صنف

بھی کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا جھول قابل قبول نہیں۔ رباعی کہنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں اسی لیے تو جوش ملیح آبادی نے برج لال رعنا کے مجموعہ رہا عیات ”رعنائیاں“ میں لکھا۔ ”رباعی ایسی کجبت چیز ہے جو چالیس پچاس برس کی مطاقی کے بعد کہیں جا کر قابو میں آتی ہے۔ مسلم ہے کہ رباعی لکھنے کے لیے کافی مشقِ سخن اور پختگی عمر کی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر شاعر کی زندگی میں رباعی نویسی کا دور آخر میں ہوتا ہے۔“

خالق اور مخلوق کے اُن گنت فرقوں میں ایک فرق نقص اور کمال بھی ہے۔ خالق کامل اور مخلوق ناقص ہوتی ہے۔ اردو ادب کے کئی عظیم شعرا صرف ایک دو درجن رہا عیات کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس سنگلاخ زمین میں ان سے مزید چلا نہ گیا۔ شاید علمائے ادب نے اسی لیے میر انیس اور مرزا دیر کو کھدائے سخن کا خطاب دیا کہ میر انیس نے (۵۷۹) اور مرزا دیر نے (۱۳۲۳) رہا عیات کہیں جو آج ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان میں کوئی فنی نقص تو دور کی بات ٹھہری نقصِ مضمون کا بھی جھول نہیں۔

چند سال قبل راقم نے مرزا دیر کی رہا عیات کو ایک مفضل مقدمہ اور تحمل تقسیم بندی کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان میں شائع کیا جو موردِ پسند علمائے شعرو ادب قرار پایا۔

علامہ شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دیر میں رہا عیات کے زیر عنوان میر انیس کی تیرہ (13) رہا عیات پیش کی ہیں۔ اس حصہ میں دیر کی کوئی رباعی موجود نہیں۔ شبلی نعمانی

نے یہ رباعیات نو لکھنؤ لکھنؤ سے شائع شدہ انیس کی کتب مرثیٰ سے حاصل کی ہوں گی یا رباعیات انیس دیر مولس وغیرہ کا مجموعہ رباعیات جس میں (960) رباعیات ہیں جو 1901 میں یونیورسٹی پریس دہلی سے شائع ہوا تھا حاصل کی ہوں گی۔ چونکہ انیس کی رباعیات کا پہلا مجموعہ موازنہ کی اشاعت کے بعد 1909 میں حیدرآباد دکن سے سید محمد حسن بلگرامی نے صرف دو صفحہ کے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا تھا جس میں ایک سو پینتالیس (145) رباعیات ہیں۔ علامہ شبلی نے بہت ہی مختصر انیس کی رباعیات پر اظہار خیال کیا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے موزوں چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان، ابو سعید، ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، انھوں نے رباعی کے سوا، تمام عمر میں اور کچھ نہ لکھا۔

اردو شاعری میں چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے اس لیے رباعیاں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ سوانے البتہ نہایت کثرت سے رباعیاں لکھیں، لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہیں۔

میر انیس کی رباعیوں کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی میں کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہیں جن میں صرف مضمون بندی یا کوئی صنعت ہے۔“
یہ میر انیس کے کلام کی تاثیر ہے کہ ان چند رباعیات کے بعض شعر اور مصرعے ضرب المثل یا مقولوں کی شکل میں مشہور ہوئے۔

- ع . کانٹوں کو ہٹا کے پھول بچن لیتا ہوں
- ع . جو ظرف کے خالی ہے صدا دیتا ہے
- ع . دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے
- ع . دامن میں ہوا کے بجڑ خاک نہیں
- ع . مجھ سا بھی یہ بخت کوئی سو میں نہیں
- ع . جو بد ہیں وہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
- ع . جس طرح چراغ آگے تابناک کے
- ع . نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے
- ع . اس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر
- ع . کہتی ہے کہیں شکر کے شیریں ہوں میں
- ع . خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے
- ع . ہو گوشہ نشیں مردم دیدہ کی طرح
- ع . خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے
- ع . جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے
- ع . ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے
- ع . ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے
- ع . کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا
- ع . گردش میں فلک کا بھی ستارہ دیکھا
- ع . ہے بحر کا کوزے میں سانا مشکل

ع عادت برسنے کی گرجنے کی نہیں
 ع انصاف فلک! تیری قلم رو میں نہیں
 ع کتنا ہے عقیق تب نکلیں ہوتا ہے
 ع مرقہ بھی عجب گوشے تہائی ہے

میر انیس جتنی توجہ مرثیے پر دیتے تھے اتنا وقت اور وقت سلام اور رباعیات پر صرف نہیں کرتے تھے۔ کئی رباعیات تو مجلس اور محافل میں انیس نے فی البدیہہ کہی تھیں۔ میر انیس کی پختہ عمر کی رباعیوں میں اس درجہ سلاست و فننگی کمال اور اخلاقی اقدار ہیں کہ وہ ضرب المثل بن چکی ہیں اور کئی رباعیوں کے مصراع زبان زد عام ہو گئے ہیں۔ شاید اسی لیے میر انیس نے کہا تھا:

گھٹی عمر مشق سخن بڑھ گئی بڑھاپے نے ہم کو جواں کر دیا

رباعی میں جذبات سے زیادہ تجربات کا عمل دخل ہوتا ہے اسی لیے رباعی فکر و فکر کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جذباتی اشعار کی طرح اس کا اثر تند و تیز اور کوتاہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی تاثیر سانچے کو سکے کی آگ کی طرح دھیمی مگر دراز مدت تک ذہن کو گرماتی اور روشن کرتی ہے اور پھر مشکل ہی سے ذہن سے نکلتی ہے شاید اسی لیے نظموں میں رباعی سب سے زیادہ حافظے میں محفوظ رہتی ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثی سلام اور رباعیات میں ایسے مقامات بھی نظر آتے ہیں جو بلا ارادہ توارد کی صف میں شمار کیے جاتے ہیں یا ان کو ایک دوسرے کا جواب یا جواب الجواب کہا جاسکتا ہے۔ رباعیات متحد المضمون ہونے کی وجہ سے انیس اور

دیر کی رباعیوں میں کچھ مرتبہ کو دھوکا ہوا، جب کہ دونوں اساتذہ نے ایک ہی مضمون پر رباعیات کہی تھیں۔ بہر حال ہم نے حسن یوسف کو بازار مصر میں پیش نہیں کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میر انیس اور مرزا دیر کا کلام پیش کر کے یہ بتایا جاتا کہ یہ دونوں عظیم شاعر آپ اپنی مثال ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا دیر کے کلام میں انیس کے کلام کا رنگ نظر آتا ہے لیکن اس کے برعکس میر انیس کے کلام میں دیر کے کلام کی چھاپ نہیں اس لیے ہمیں دیر کے کلام کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے۔ انیس اور دیر کے صرف سلاموں اور مرثیوں میں مضامین کا ٹکراؤ نہیں بلکہ ان دونوں عظیم شاعروں کی رباعیات میں بھی مضامین کی تکرار نظر آتی ہے۔ ہم اس موقع پر میر انیس اور مرزا دیر کی چند رباعیوں کو تقابل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

میر انیس مرزا دیر

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا
جو اوج پہ تھے زبر زمین آج ہیں وہ کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا
قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے برسوں رہا جن کے سر پر چتر ذریں
اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ تربت پہ ان کی شامیانہ دیکھا

مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوئی اے قبر اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش
میں نے بھی جان دے کے پایا ہے تجھے جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا اک دن پیوند خاک ہونا ہوگا
جز خاک نہ نکلیے نہ بچھوٹا ہوگا تنہا تنہا لحد میں سونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیس اس قبر کے پردے کا کھلا حال دیر
ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا جو لڑھکتا ہوگا وہ بچھوٹا ہوگا

راحت کا مزہ عددے جانی نکلا کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا
دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا باقی سامانِ عیش فانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انیس چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دیر
نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا اتنا بھی نہ اس شگونی میں پانی نکلا

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے گنجینہ جسے رب ہدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جاہ دیتا ہے وہ دارِ عطیہ خدا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغزِ ثنا آپ اپنی خاموش حبابوں کے ہیں ظرفِ خالی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے دریا میں ہیں موتی وہ صدا دیتا ہے

گلابائے مضامین کو کہاں بند کروں شیرازِ مضامین کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں گونجیں گے ذکاریں گے جہاں بند کروں
میں باعثِ فخرِ سخی بلبل ہوں خلاقِ مضامین تو سبھی ہیں لیکن
کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوا
کیوں چراغ کہن نیا یہ کیا دور ہوا کہہ عدل کے قلم گہے جور ہوا
گردش کب تک نکل چلو جلد انیس اللہ دی ہے تو نہ مضطر ہو دیر
اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا کیا غم جو زمیں اور فلک اور ہوا

مجلس میں عجب بہار چشم تر ہے اہلک فم شیرِ ذر یکتا ہے
ہر لختِ جگر رشک گلِ احمر ہے ہر دیدہ حق میں سے یہ در پیدا ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی بے اہلک عزا آبروے چشم ہے خاک
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں شیریں خنکی پہ مورد تحسین ہوں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں واللہ نہ عیب میں نہ نکتہ چیں ہوں
ہوتی ہے طراوتِ خن خود ظاہر سکتے میں ہے میرے سخن شیریں سے
کہتی ہے کبھی شکر کے شیریں ہوں میں ہے شکر کا کیا منہ جو کہے شیریں ہوں

احسان نہیں گر بزمِ عزا میں آئے احسان نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہ مصطفیٰ میں آئے آئے تو پناہ مصطفیٰ میں آئے
اس بزم میں آئے جو مہبان علی گرمی ہی کے دن تھے کہ تمہاری خاطر
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے شیرِ وطن سے کربلا میں آئے

غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے روئے یہ غم بادشاہ عالی ہے
 پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے اور مرگ کسی نے بھی نہیں ٹالی ہے
 اس عشرہ میں تھے شریک بھلس جو لوگ اللہ کرے غریقِ رحمت سب کو
 اس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے اس بزم میں کس کس کی جگہ خالی ہے

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے ہرچند کہ خست و حزیں ہے آواز
 کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے پر آخر عزادار شہ دیں ہے آواز
 یہ ہے غمِ شہر کی تاثیر انہیں نکلے نہ اگر کینج لہ سے تو بجا
 آوازِ قلقل سوگ نشیں ہوتی ہے ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

داغِ غم شہِ سینے میں گلِ بوئے ہیں بھلس میں گلِ اشکِ عزالونے ہیں
 کیا کیا گنہگار بیش بہا ٹوٹے ہیں ثابت ہے دلا شیشہ دل ٹوٹے ہیں
 بھلس میں ریا سے جو کہدو تے ہیں انہیں یاں اشکِ ربائی کا بھی ہے مولِ بہشت
 اشکِ ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں موتی سچے ہیں جو ہری جھوٹے ہیں

چیری سے بدن زار ہوا زامی کر اب نامِ خدا زبان پہ جاری کر
 دنیا سے انہیں اب تو چڑامی کر غافلِ دمِ آخری تو ہشیاری کر
 کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سفید بالوں کی سیاہی پہ سفیدی آئی
 ہے صبحِ اجل کوچ کی تیاری کر لے صبح ہوئی کوچ کی تیاری کر

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے پروانہ کو دھن شمع کی لو تیری ہے
 بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے عالم میں ہر اک کو تنگ و دو تیری ہے
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا مصباح و نجوم و آفتاب و مہتاب
 جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے
 بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے قد سرو کو گل کو رنگ و بو دیتا ہے
 انساں کو رزقِ گل کو بو سگ کو لعل بے کار تصنع ہے تشخص بے سود
 جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے عزتِ دہی عزت ہے جو تو دیتا ہے

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں خاصہ بھی مری طرح سیدہ کار نہیں
 جز تیرا کرم کچھ اور درکار نہیں یہ مشق گنہ کسی کو زہار نہیں
 مجھ سا نہیں عالم میں گنہگار اگر مگر خوفِ برابری نہو صاف کہوں
 تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں مجھ سا عاصی خدا سا غفار نہیں

حاصل جو فتنہ دیں کی حضوری ہو جائے حاصل جو آقا کی حضوری ہو جائے
 لاکھوں منزل ستر سے دوری ہو جائے عصیاں کی تیرگی سے دوری ہو جائے
 قدی کہتے ہیں کہ بلا ہے وہ بہشت اے صن علی مجلسِ پر نور حسین
 ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے ناری بھی یہاں آئے تو نوری ہو جائے

جو روضہ شادہ کر بلا تک پیو نچے جو روضہ شادہ کر بلا تک پیو نچا
 بے شبہ و شک وہ کر بلا تک پیو نچے معراج ہوئی اعرش غلا تک پیو نچا
 اللہ رے عز و شان زوآر حسین کیا قرب ہے اللہ کا اللہ اللہ
 پیو نچے جو حسین تک خدا تک پیو نچے پیو نچا جو حسین تک خدا تک پیو نچا

درد و الم ممات کیوں کر گزرے ہرزخ کی تسوہات کئے گی کیوں کر
 یہ چند نفس حیات کیوں کر گزرے تنہائی میں لوقات کئے گی کیوں کر
 چری کی بھی دوپہر دھلی شکر انیس غفلت میں دیر صبح چری ہوئی شام
 اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے دن رات ہوا رات کئے گی کیوں کر

دل کو مرے شغل غم کساری کا ہے بندوں پہ کرم حضرت باری کا ہے
 غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے مقدور کئے شکر گزاری کا ہے
 گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو
 ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے شمر یہ نہال خاکساری کا ہے

میر انیس کی رباعیات کتنی تھیں اور کتنی ضائع ہو گئیں یا دوسروں کے نام
 منسوب ہو گئیں انہی کی صحیح تعداد معلوم کرنا آج کے محقق کے لئے تقریباً ناممکن
 ہے۔ ہم نے دیوان رباعیات انیس میں (579) رباعیات جمع کی ہے اور تعداد
 کے لحاظ سے یہ پہلا مجموعہ رباعیات ہے جس میں سب سے زیادہ رباعیاں شامل
 ہیں۔ رباعیات انیس مرتبہ علی جوادی میں اگرچہ تعداد (583) ہے لیکن اس

میں بعض قطعات اور بعض رباعیاں دہر اور موتس سے منسوب ہیں۔ ہم یہاں رباعیات انیس کے سن طباعت کو پیش نظر رکھ کر مجموعوں کی فہرست رقم کرتے ہیں۔

نمبر	کتاب کا نام	مصنف مرتب	سن طباعت	مطبع	تعداد
1-	مرثیہ انیس (چھ جلدیں)	—	1885	ڈاکٹر راجندر ناتھ	تقریباً چار سو رباعیات
2-	مجموعہ رباعیات	سید امین حسین	1901	ایچ بی ایس، دہلی	—
3	رباعیات انیس (۱۰۰ رباعیات نو لکھا)	سید امین حسین	1909	لکھنؤ	(145) رباعیات تین
4-	انیس اور غزل	سید امین حسین	1939	لکھنؤ	(95) رباعیات تین
5-	رباعیات انیس	سید امین حسین	1947	لکھنؤ	(514) رباعیات تین
6-	مرثیہ انیس	—	1924	کھانی پور پریس	(98) رباعیات تین
جامعہ					
7-	رباعیات انیس	امام حسین	—	کھانی پور پریس	(192) رباعیات تین
8-	مرثیہ انیس	ولینٹی	1956	دہلی	(282) رباعیات تین
9-	مرثیہ انیس	—	1958	ڈاکٹر راجندر ناتھ	(278) رباعیات تین
10-	مرثیہ انیس	—	1961	ایچ بی ایس، دہلی	(35) رباعیات تین
11-	مرثیہ انیس	—	1967	نور محمدی پریس	(113) رباعیات تین
12-	رباعیات انیس	محمد امجد علی	1984	پیر پور پریس، دہلی	(578) رباعیات تین
13-	دعایں رباعیات انیس	سید امین حسین	2012	شاہ جہان پریس، دہلی	(579) رباعیات تین

رباعیات کی ان کتابوں اور مجموعوں کے علاوہ میر انیس کی رباعیات مختلف رسالوں، انیس نمبروں اور مضامین میں کم و بیش شائع ہوتی رہی ہے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل انیس کی رباعیات اسکولوں اور کالجوں کے اردو نصاب میں موجود تھیں۔ لیکن انیس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مرتبین نصاب نے انیس کی رباعیات سے اجتناب کر کے اردو ادب و تہذیب پر ظلم اور اردو شعریت پر بھرمانہ رویہ روا رکھا ہے۔

میر انیس کی رباعیات کا پہلا جامع مجموعہ سید محمد عباس لکھنوی نے "مجموعہ رباعیات" میر انیس کے نام سے اگست 1947ء میں شائع کیا جس میں پانچ سو چودہ (514) رباعیات موجود ہیں۔ سب سے پہلے میر انیس کی کچھ رباعیاں مرثی انیس کی جلدوں میں طبع ہو چکی ہیں اس کے بعد "مجموعہ رباعیات خاندان انیس" کو اثنا عشری پریس لکھنؤ نے شائع کیا۔ سید محمد حسن بلگرامی نے "رباعیات انیس" کے نام سے 1909 میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ میر انیس کی اخلاقی رباعیات کو "انیس الاخلاق" کے نام سے 1938 میں شائع کیا گیا۔ علی جواد زیدی نے 1985 میں (583) رباعیات جن میں کچھ قطعاً بھی شامل ہیں ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ دہلی سے شائع کیا۔

سید محمد عباس نے انیس کی رباعیات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مزید خانوں میں جگہ دی (1) مذہبی رباعیات جن میں حمد، مناجات، نعت، منقبت، رباعی اور اعتقادی مضامین۔ (2) اخلاقی رباعیات میں وعظ و چند اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمال بد سے اجتناب کی ضرورت کو پیش کیا گیا ہے۔

(3) ذاتی رباعیوں میں میر انیس کے حسب نسب، فن، شخصیت، تعلیٰ وغیرہ پر مضامین ملتے ہیں۔

میر انیس کے نواسے میر عارف کے فرزند سید یوسف حسین نے قلمی خاندانی مستند نسخوں سے مطبوعہ رباعیات میں جو اغلاط ٹپکیں ان سے اس دیوان میں استفادہ کیا۔ خود موصوف لکھتے ہیں کہ مرثیٰ انیس مطبوعہ نولکشر پریس کی ایک جلد اول میں (81) رباعیات ہیں جن میں سے (19) رباعیاں غلط ہیں۔ ہم یہاں نمونے کے طور پر چند غلط مصرع اور اس کے مقابل صحیح مصرع درج کرتے ہیں جو مستند ہیں:

صحیح اور مستند مصرع

غلط مصرع

ع: بے زاد سز کوچ کی تباری ہے	ع: لے زاد سز کوچ کی تباری ہے
ع: یہ قبر کی منزل بھی عجیب بھاری ہے	ع: یہ قبر کی منزل بھی غصیب بھاری ہے
ع: مرقد میں انیس نے کفن میں ہوگا	ع: مرقد میں انیس نے کفن میں ہوگا
ع: چل کر گلزار کربا میں دھوڑیں	ع: صلاب گلزار کربا میں دھوڑیں
ع: احباب لہ تلک نے پہنچائیں گے	ع: احباب لہ تلک تو پہنچائیں گے
ع: جو بند کہا نذر حیدر کے لیے	ع: جو بند کہا نذر حیدر کے لیے
ع: سینے میں یہ دم مثل سحر گاتی ہے	ع: سینے میں یہ دم شمع سحر گاتی ہے
ع: اور صاحب چشم دگوش ہو جاتا ہے	ع: سرتا پا چشم دگوش ہو جاتا ہے
ع: یوں لخت جگر چشم سے نکلیں ہانم	ع: یوں لخت جگر چشم سے نکلیں ہیم
ع: کعبے نے شرف طم کے در سے پایا	ع: کعبے نے شرف طم کے در سے پایا

ع: فاطمہؑ آپؑ کی ہیں مجلس میں ع: فاطمہؑ آچکی ہیں مجلس میں
 ع: کچھ غم نہیں باریک ہے گوراء سراط ع: کچھ غم نہیں باریک ہے گوراء سراط
 مصرعوں میں خفیف سی تبدیلی سے شعر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیے جب
 محمد حسین آزاد نے استاد ذوق کا شعر میر انیس کے سامنے غلط پڑھا تو میر انیس نے
 تصحیح کر کے کہا تھا بڑا شاعر ہر چھوٹے لفظ کو بھی صحیح مقام پر رکھ کر بڑا بنا دیتا ہے۔
 انیس کی چند رباعیوں کے دوسری زبانون میں ترجمے بھی ہوئے اور پسند کئے
 گئے۔ فارسی میں ذاکثر امیر عباس حیدری استاد کیمبرج یونیورسٹی، انگریزی میں امیر
 امام حشاکر علی جعفری اور غلام عباس صاحب نے عمدہ تراجم کیے ہیں۔ یہاں بطور
 نمونہ چند رباعیات ترجمے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
 افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
 جنت انعام کر کہ دوزخ میں ملا
 وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

The love (for humanity) exceeds parental love,

Thy beneficence exceeds thy wrath

Grant me paradise or burn me in hell (whatever the thy will)

(For) the former would be mercy the latter justice (Imam

Hur)

مٹی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر
 ہر بات پہ معترض نہ ہو جنگ نہ کر
 منظور اگر ہے جا دلوں میں اے دوست
 بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

You are created from clay, don't turn your heart into stone
 Do not find fault in every thing Fight not
 Oh friend! if you'd have a place in other hearts
 Then better not hurt even your enemy. (Imam Hur)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
 ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے

The childhood and the youth, at a wink they flew
 And there at last the Bubble burst and blew.

جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
 جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

(شاکر جعفری)

The sightless eyes then visualized too well
 The dream deceitful and the awakening true.

گلشن میں پھروں کے سیر صحرا دیکھوں
 حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(شاکر جعفری)

In flowers | stroll or stare at wilderness
 Or look at rokes, and sands and seas riches.

ہر جا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ وہ آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
(شاہ جعفری)

A myriad sight to speak that Beauty of,
And me but a pair of eyes to possess.

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سوگت ہوں بے تیری ہے

In an orchard the wind blows but for Thee.
The music of nighringale flows but for Thee.
Each object mirrors Thy Majesty and Magnificence.
Each flower I smell mellows but for Thee.

(Ghulam Abbas)

رجہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

It's God who exalts, whomever He wishes.
Self-effacing is the man, humility he practises
Swaggering suits only to the brainless being
As to an empty vessel, noise pleases.

(Ghulam Abbas)

بادِ سحر آشفۂ کترای جوید! گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
 بلبل ہے چمن وصفِ ترا ی گوید بلبل کی زبان یہ گفتگو تیری ہے
 ہر رنگ کہ ہست جلوہ قدرت تست ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
 ہر کس کہ گلی چید ترا ی بوید جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے
 (استاد حیدری)

گر خوی تو نیک است ترہا کی نیست ہموار ہے گر تو کچھ تجھے پاک نہیں
 سرکش اگر بہرِ زا اورا کی نیست سرکش ہے گر تو عقل و ادراک نہیں
 جز غم بنود نصیب آتھو را پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
 در دامن گرد باد جز خاکی نیست دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں
 (استاد حیدری)

یہ سچ ہے کہ اردو رباعی پر تخلیقی رجحان کی سپردگی اور تنقید فکر کی ہم آہنگی
 نسبتاً دوسری اصنافِ شاعری کے کم ہوئی۔ جوش جو خود ایک عمدہ قادر الکلام رباعی
 گو ہیں اس چار مصرعوں کی نظم کو پختہ کلامی کی سند کہتے ہیں۔ جوش نے رباعی
 کے بے شمار موضوعات کو شاعر کے پختہ تجربات، رسیدہ فکر، استادانہ اختصار اور
 حکیمانہ گفتار کی خوبصورت آمیزش کا نتیجہ قرار دے کر رباعی کو آفاقیت کا رنگ دیا
 ہے جو رباعی کی تخلیقی سرگزشت کا صحیح جائزہ ہے۔ مولانا روم نے کہا تھا کہ میری
 زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ میں کچا تھا پک گیا اور پھر سوز و گداز
 میں حل ہو گیا۔

حاصلِ عمر سرِ سخن بیش نیست خام بودم پختہ شدم سوختم
 شاید اسی لیے مولانا روم کی رباعیات میں آخری پختہ عمر کی استادانہ اور حکیمانہ
 گفتار کا رنگ ہے۔ رباعی شاعری کی وہ صنف ہے جو قلیل الالفاظ ہوتے
 ہوئے بھی کثیر المعانی ہوتی ہے۔ شاعر رباعی کے چاروں مصرعوں میں خیال کو
 روحاً دے سرتے ہوئے اس کی عکاسی اور رنگینی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ
 سامع نتیجے سے بالکل بے خبر رہتا ہے لیکن جب وہ چوتھے مصرع میں بر جستگی
 تشنگی اور شدت کے ساتھ خیال کا اظہار کرتا ہے تو سننے والا متحیر اور متاثر
 ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے تو صاحبِ حمیری نے رباعی کے چوتھے مصرعے کی
 قدر و منزلت اور اس کے حسن شعری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

رباعی بیتِ آخری زندہ ناخن بہ دل

خطِ چب لب بہ چشم باز ابرو خوش تراست

یعنی رباعی کا چوتھا مصرعہ دلکش اور دل موہ لینے والا ہوتا ہے اور ہماری نگاہ میں
 مونچھیں ابرو سے حسین ہوتی ہیں۔

فارس کی طرح اردو رباعی کا ذخیرہ دوسری اصنافِ سخن کے مقابلے میں
 بہت کم ہے۔ یہ مشکل صنف اس لیے بھی ہے کہ اس میں ایجاز بیانی، فکری گہرائی،
 فائدہ و رحلت کی گیرائی بھی شامل ہے۔ چنانچہ فارسی ہو کہ اردو رباعی میں صرف دو
 ہی شعرا کامیاب اور اچھے رباعی گو شاعر مانے گئے ہیں جن کو حکمت کے ساتھ ساتھ
 شعر پر بھی کامل قدرت حاصل تھی۔ یہ اور بات ہے کہ غزل گو شعرا کے پاس غزل

موجود تھی اور غزل میں مطلع اور بعض اوقات قطعہ بند یا تسلسل رباعی کے قافی کام کی کسی حد تک تکمیل کروتا تھا۔ اس کے برخلاف مرثیہ ایک تفصیلی فن تھا جس میں سامعین کو چنی اعتبار سے تیار کرنا ضروری تھا اور اس صنف سخن جس کی ساخت میں ایجاز و اختصار اور جس کے موضوعات میں اخلاقیات، عرفانیات، وجدانیات اور فلسفہ و حکمت کی واردات کی ختم نہ ہونے والی فہرست تھی۔ مرثیہ سے پہلے وہی کام دیتی تھی جو ایک زور دار مطلع غزل کے آغاز میں اسی لیے اردو رباعی گوئیوں کی فہرست میں مرثیہ نگاروں کے نام سرفہرست رہے اور مرثیہ نگاروں کی طرح رباعیوں کو آج تک اردو کا کوئی غیر مرثیہ گو شاعر پیش نہ کر سکا۔ مولوی امداد امام آثر نے ”کاشف الحقائق“ میں بہت حقیقت اور حق کی بات کہی ہے کہ ”انیس اور دیر یہ دو بزرگوار رباعی نگاری کے اعتبار سے بھی بہت قابل قدر ہیں بلکہ اردو شعرا میں یہی حضرات ہیں جنہوں نے رباعی نگاری کی شرم رکھ لی۔“

انیس نے بڑی خوبصورت حمد یہ رباعیات کہہ کر معرفت کے دفتر کھول دیے ہیں۔ انہی حمد یہ رباعیوں میں تصوف کی جھلک، مناجاتی انداز، بندگی کی بے بسی کوتاہی، گاہے حیرانی، گاہے پشیمانی غرض گونا گوں بخرو و انکسار کے ساتھ ساتھ شان کریمی اور عظمت ذوالجلال کا اقرار مصرعوں سے ہوتا ہے۔

ع: ممکن نہیں عہد سے عبادت تیری

کہیں ”ہمدوست“ کی نغمہ سرائی کرتے ہیں۔

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پر گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگتا ہوں بو تیری ہے

اور کہیں جلوہ کردگار اور ہر سمت اور ہر شے میں اس کی جلوہ گری دیکھ کر کہتے
ہیں کہ میں ان دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں، یعنی وہ لوگ اندھے ہیں جو جلوہ خداوندی
جو ہر شے و تر میں موجود ہے چشم معرفت سے دیکھ نہیں پاتے۔

گلشن میں پھروں کہ ہر صحرا دیکھوں
یا معدن کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
جہاں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

انیس لفظوں کا بادشاہ ہے۔ گلشن کی رعایت سے صبا، بلبل، رنگ، پھول اور
بو کی خوشبو کچھ اس طرح سے مصرعوں میں لپی ہوئی ہے کہ پڑھنے یا سننے والا بغیر حظ
کے نہیں رہ سکتا، یہاں مراعات النظر بطور صنعت گری نہیں بلکہ کمال فن کی معجز بیانی کا
نتیجہ ہے۔ پہلے کے تین مصرعوں میں مضمون کو ارتقا دے کر شاعر نے چوتھے مصرعہ کو
آسمان پر پہنچا دیا اور فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود یعنی ہمہ اوست اور ہمہ
ازاوست کا دفتر کھول دیا۔ دوسری رباعی کے پہلے دو مصرعوں میں کائنات کے تمام
مظاہر جن کا تعلق نظر یا قوت باصرہ سے ہے جمع کر کے انسان کی محدود بینائی اور عمر کی
اُن کی حقیقت بین السطور اور بین اللفظ بیان کر کے رب العالمین کی توصیف اور

شکاسائی کی ہے۔ اس رہائی کے چوتھے مصرعہ سے اکابرین نے مقولہ یا ضرب المثل کے طور پر استفادہ کیا ہے۔

میر انہیں نے تصوف اور واقعہ کر بلا کو برائے شعر گفتن کے طور پر نہیں برتا بلکہ مظلوم کی سیرت ان کے کردار اور انسانی اقتدار کو اپنی شخصیت کا جزو بنالیا اور یہ وہی جو ہر تھا جس کی وجہ سے انہیں کے اشعار سے صداقت کی روشنی پھیلتی نظر آتی ہے اور ایسی سعادت بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔ میر انہیں عرفان کے اعلیٰ درجوں پر فائز تھے وہ درویش و قلندر صفت تھے وہ کھل کر دنیا داری، ریا کاری اور درباری لغزشوں کے خلاف پیام دیتے جو برہنہ شمشیر کی طرح روشن اور تیز ہوتا ہے ان کے مخاطب عوام اور خواص دونوں ہوتے ہیں اور خطیب و مخاطب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہتا۔

جس شخص کو عقیقی کی طلب گاری ہے
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اک چشم میں کس طرح سائیں دونوں
غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے
اس زیست پہ کیا حسد نہ کیا کینا ہے
جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

دنیا کی بے ثباتی جہاں زندگی کی تکمیل موت اور پھر ایسی زندگی کے لیے تھک و دو، حسد و خوں ریزی کرنا سب نقصان کی چیزیں ہیں۔ دنیا مہرت کا مقام ہے یہاں ہر شے کو فنا ہے یہاں میر انیس نے تلمیحات سے مضمون کو رفعت دی ہے جو ان کے کلام کی عظمت اور قادر الکلامی کی دلیل ہے جام جم، شکوہ دارا اور آئینہ سکندر کا آخری دو مصرعوں میں برتا جاتا ہے کہ میر انیس داستانوں کو الفاظ کے سینوں میں بند کر دیتے ہیں اور یہ ان کا کمال ہے کہ رباعی کے چار مصرعوں میں چار سمت کی وسعت سما جاتی ہے۔ آخری مصرعہ میں آئینہ کو بطور ایہام رکھ کر تلخ یعنی آئینہ سکندر اور تشریح یعنی معنی آفرینی بھی کی ہے۔

ہے کون جو رنج مرگ سبے کا نہیں
احوال یہ گوگو ہے، کہنے کا نہیں
آباد کوچ رہا جہاں میں غافل
بھیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا
مشکل آتا اس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو، رختِ نو پہن کر غافل
اک روز بھی جسم کفن میں ہوگا

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
 وہ نوحہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
 لہریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
 آنکھوں میں کوئی غمی سماتا ہی نہیں

وہ تختِ کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
 جو آج پہ تھے زبے زمیں آج ہیں وہ
 قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
 اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ

میر انیس کی درجنوں اخلاقی رباعیات میں عارضی حیات اور مستقل ممات کی تاکید
 ہے کہ یہ زندگی آئی فانی ہے اور دنیا مسافر خانہ ہے جہاں سے سفر کرنا ہے۔ دنیا کی
 بے ثباتی پر جتنی عمدہ اور پُر اثر میر انیس کی رباعیاں ہیں شاید ہی کسی اور اردو شاعر
 کے دیوان میں ہوں۔

گر لاکھ برس جیسے تو پھر مرنا ہے
 پیانہ عمر ایک دن بھرنا ہے
 ہاں تو شے آخرت مہیا کر لے
 غافل تھے دنیا سے سفر کرنا ہے

دل میں غم یاران وطن لے کے چلے
اس باغ سے دانوں کا چمن لے کے چلے
نقصان کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل، آہ
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

پروفیسر یوسف جمال انصاری ”رباعیات انیس“ میں لکھتے ہیں۔ ”انیس کی بہت سی رباعیات حمد و نعت و منقبت میں ہیں۔ علی الخصوص امیر المومنین حضرت علی کی شان میں ایسی ایسی رباعیات موجود ہیں جن کا جواب نہیں۔ ربائی کہنے کا حق انیس اور دوسرے نے ادا کر دیا۔ عموماً ہر ربائی بلند پایہ اور قابل تعریف ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ایک خاصی تعداد ایسی رباعیات کی موجود ہے جن کو صحیح معنی میں لا جواب قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوسرے کی ربائی ہے:

مولود جو داں حکم قدر سے پایا کعبہ نے شرف علی کے در سے پایا
کودی میں نئی لیے یہ کہتے نکلے لوہم نے وحی خدا کے گھر سے پایا

اول تو جو بات اس ربائی میں نظم کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بلند و ارفع ہے۔ لیکن جس طرح خیال کو نظم کی لڑیوں میں پرویا گیا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اشارہ ایک تاریخی حقیقت کی طرف منظور تھا کہ جناب علی کعبے میں پیدا ہوئے اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ نبی کا وحی وہ ہے جو خدا کے گھر سے آیا ہو۔ بلندی خیال کے علاوہ بھی ایک چیز قابل لحاظ ہے یعنی کسی شعر کے تصور یا ہوں کہیے کہ لب و لہجہ، اس عنوان سے اس ربائی پر نظر ڈالے۔ کیا شاہانہ لہجہ ہے۔ حکم خدا کا کھڑا منہ ہوتا ہے۔ حکم خدا سے کہیے میں ولادت علی کا نتیجہ دوسرے مصرع میں ظاہر ہوتا ہے

کہ کہے کو علی کی پیدائش سے شرف حاصل ہوا۔ یہاں لہجے کی بلندی قابل لحاظ ہے اور پھر کہے سے جناب علی کی برآمدگی کہ نبی اپنی گود میں لے کر نکلتے ہیں، دنیا کو دکھاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں؟

لو ہم نے وحی خدا کے گھر سے پایا

اب ایک دوسرا مقام انیس کی رباعی میں ملاحظہ ہو کہنا یہ مقصود ہے کہ بعد شہادت جب سر مبارک کو نیزے پر بلند کیا گیا تو اس کا اثر کچھ اور ہی نمایاں ہوا۔ افواج یزید کا مقصد تو یہ ہوگا کہ امام عالی مقام کا سر دنیا کو خوف زدہ کر دے گا کہ یزید کی طاقت بھی کتنی بڑی طاقت ہے اور لوگ جمہور اطاعت ہو جائیں گے۔ لیکن ہوا کچھ اور ہی دیکھنے والے حیح اٹھے کہ کس صاحب کرامت کا سر ہے جو شہید بھی ہے اور غازی بھی اور نمازی بھی۔

کیا مرتبہ سلطان حمازی کا ہے کیا عز و شرف الہام غازی کا ہے
سجدہ کا نشان دیکھ کے سب کہتے ہیں نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے
یہ بلاشبہ ایک عظیم رباعی ہے۔ لہجے میں فخر و مباہات کا وہ عالم ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ انیس چاہتے تو حاضرین مجلس کو اپنی مرضی کے مطابق رلاتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ انیس نے بظاہر ایسا نہیں کیا اور رجز یہ انداز میں جھوم جھوم کر قصیدے کے رنگ میں سر مبارک کی تعریف کی ہے۔ یہ اس رباعی کا ایک رخ ہے اگر دوسری مرتبہ نظر ڈالی جائے تو حیح نکل جاتی ہے کہ وہ سر جو جسم الہام پر ہونا چاہیے تھا نیزے پر ہے۔ نیزے کی رعایت ایک اور مقصد سے بھی برتی گئی ہے وہ دن نہ تھا روز قیامت تھا۔

آفتاب سوانیزے پر بھی نہ تھا۔ سر مبارک دراصل آفتاب ہے۔ آفتاب کی پہچان روشنی سے ہوتی ہے سرِ اقدس کی بھی یہی پہچان بتائی گئی ہے۔ وہ نورانی چہرہ جسے دیکھ کر یہ کہہ انھیں:

ح نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے
اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں:
میر انیس نے خود کہا تھا:

گلدستہ معنی کوئے ڈھنگ سے باندھوں

اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں

اور اس فن میں وہ پڑھنی رکھتے تھے لیکن صرف یہی نہیں بلکہ انیس کا کمال فن یہ بھی تھا کہ وہ ہر رنگ کے مضمون کو اسی رنگ و ڈھنگ کے الفاظ سے باندھتے اگر شادی کا مقام ہے تو شعروں میں جو لفظ ملتے وہ سرخ پوش شہنائی بجاتے ڈھول پیٹتے اور رقص کرتے نظر آتے، غم کے مضمون میں سیاہ پوش انگبار درد و گداز سے بھرے الفاظ مفلوں میں ماتم کرتے معلوم ہوتے۔ خوف کا ذکر ہو تو خوف زدہ، گھبرائے ہوئے الفاظ، لڑائی یا معرکہ میں زور و شور پیدا کرنے والے الفاظ اور کہیں پند و نصیحتوں کے الفاظ دامن و دریاں اور رہبر خوش بیان معلوم ہوتے۔ اسی لیے تو میر انیس کو محاوروں کا بادشاہ اور لفظوں کا شہنشاہ اور نئے مضامین کا خالق کہا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی دوسرے شاعر نے اردو شاعری میں اس طرح کی مکالمہ نگاری اور بول چال کی سلیس زبان استعمال کی ہو۔ اس طرح مصرعوں میں لفظوں کو جڑ دیتے تھے کہ وہ دُور شہوار کی لڑی معلوم ہوتے۔ میر انیس چھوٹے چھوٹے اردو کے

لفظوں کے کاغذوں پر آسمانوں کا وزن رکھ دیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے پاؤں نہیں لڑکھڑاتے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ میر صاحب لفظوں کے خالق مطلق ہیں جس لفظ سے جیسا چاہتے ویسا ہی کام لیتے، الفاظ اپنی تھے مگر انیس کے ہاتھ میں موم بن کر مصرعوں میں ایسا کھپ جاتے جیسے حضرات داؤد کے ہاتھوں میں لوہے کی ڈڑہ کے ٹکڑے نرم ہو جاتے تھے۔

مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا
مر جاتے ہیں سن کے روز مزا میرا

کیا فاختہ جھٹے کی بھلا بلبل سے
صاف اپنا وہ پہلے روز مزا تو کرے

میر انیس کہا کرتے تھے۔ صاحبو! یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ اہل لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔ انیس کو اپنی زباں دانی پر فخر تھا اور اس فخر اور فن پر گرفت کو خود ستائی یا عیب نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل کی رباعی میں انیس نے غرور غزہ اور دعویٰ کو کس خوبصورتی سے استعمال کیا اور مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا:

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے
غزہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے
خال زہ اکبر کی جو کی ہے توصیف
دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

گلکچیں کو اس پر ناز ہے کہ اُس نے باغ کے ایک گوشے سے پھولوں کو
 پُچن کر محفلوں میں بکھیر دیا۔ بلبل اپنے شیریں لہجہ پر مغرور ہے کہ کوئی اور پرعدہ
 ایسی دلکش آواز نہیں پاسکا۔ ہم شبیر رسول محل اکنز کے سراپا سے مرثیہ نگاروں کے
 وقارِ بھرے پڑے ہیں لیکن انیس کی معجز بیانی کا کوئی حریف نہ ہو سکا۔ خال اکبر
 سے کتہ دانی کو جوڑنا شعر کی بلاغت کا جوہر ہے۔ انیس بین السطور یہ بتا رہے ہیں
 کہ میں نے علی اکبر کے خال سے جو نادر مضامین نکالے ہیں اُس سے میری کتہ
 دانی دقیق اور عمیق نظری ظاہر ہوتی ہے۔

انیس نے بہت صحیح کہا اور یہ کر کے بھی دکھایا کہ وہ ایک پھول کے مضمون کو
 سورنگ سے پیش کرنے کی صلاحیت اور ہنر رکھتے ہیں۔ ذیل کے مصرعوں اور شعروں
 میں پھول کے مضمون کے مختلف رنگ اور ڈھنگ دیکھئے اور کیف سمجھیے۔ ہم نے یہاں
 صرف زبامیات سے چپاس سے زیادہ مضامین پُچن کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میر
 انیس صرف مرثیہ کا نہیں اور شاعری کا سردار بھی ہے۔

جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض
 پاں آئے خن چیں بھی تو گل چیں ہو جائے

مداح گل گلشن زہرا ہم ہیں
 غنچے کی طرح زباں میں رعینا ہے

ع: گلکچیں کو غرور گل فطانی کا ہے

کس منہ سے کہوں لائق حسین ہوں میں
 کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
 گلہائے مضا میں کو کہاں بند کروں
 خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
 ع: کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں
 ع: گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو
 ع: گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے

گلشن میں مہا کو جنجو تیری ہے
 جس پھول کو سوگھتا ہوں تو تیری ہے
 ع: شاخ گل تر زمیں پہ سر دھرتی ہے
 ع: ہر پھول سے صنعت صد پیدا ہے

لالے سے عیاں بہار سرخوشی ہے
 زمیں کو جو دیکھے تو مدہوشی ہے
 کیسی یہ کوئلو ہے اے رب کلیم
 بلبل نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

اس ایک رباعی کی تشریح کے لیے پورا دفتر بھی کم ہے۔ لالے کا پھول
 سرخ رنگ کا اس طرح لگتا ہے جیسے ایک جوان خوبصورت چہرہ خوشی کے عالم میں

سرخی سے دمکتا ہے۔ نرمس کے پھول کی شکل خمار زدہ مست آنکھ سے مشابہت رکھتی ہے جس کو مدہوشی کی حالت بتائی ہے۔ تیسرے مصرع میں گوگلو یعنی بولنا اور خاموشی وہ بھی سوالیہ طور پر رب کلیم کی نسبت سے جہاں حضرت موسیٰ جو اللہ سے بات کرنے والے نبیؑ کی تبلیح نے مضمون کو آسمان کی بلندی دی۔ آخری مصرعہ حسن تعلیل میں ہے جہاں بلبل بولتی ہے اور پھول بات نہیں کر سکتا جس سے شاعر نے پورا استفادہ کیا ہے۔

ع: ہر دقت گلِ عشق تر و تازہ ہے

ع: فردوس سے مثلِ بوئے گل جاتے ہیں

ع: ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذرِ بکف

ع: گلِ دستِ باغِ دیں ہے دستِ حیدر

۔ گلزارِ نجف میں مدحِ خواں ہوگا انیس

بلبل کو جو ڈھونڈ تو چمن میں ڈھونڈ

۔ صاحبِ گلزار کربلا میں ڈھونڈیں

بلبل کا حزار بھی چمن میں ہوگا

۔ یارب رہے یہ باغِ خزاں سے محفوظ

جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

ع: رضواں ہے فدا گل ہیں یہ سارے ایسے

۔ فردوس سے روح مصطفیٰ آتی ہے
پھولوں میں بسی ہوئے صبا آتی ہے

۔ خوشبو یہ عرق میں ہے عزا داروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

ع: دامن میں گل ایک عزا رکھتے ہیں
ع: یہ پھول غزاں میں بھی تروتازہ ہے
ع: داغِ غم وہ سینے میں گل ہوئے ہیں
۔ یوں ایک عزا چشم سے نکلیں پیہم
ہر موئے مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

ع: گلِ لختِ جگر ہے باغِ باغِ آنکھیں ہیں
ع: اکبر سا گل بدن نہ ہوگا کوئی

۔ خود ڈھونڈ کے پیشِ اہل دل جاتا ہوں
غنیہ کی طرح ہوا سے کھیل جاتا ہوں

ذیل کی رباعی میں دنیا کی بے ثباتی اور ہر شے فنا پذیر ہے کے خشک مضمون کو صنعت مراعات الخطیر میں جس میں نخل، باغ، گل، خزاں، مرجھانا جیسے لفظوں سے رنگین بنا کر مصرعوں کو زعفران کر دیا۔

انہوں جہاں سے دوست کیا کیا نہ مجھے
اس باغ سے کیا کیا گل رحما نہ مجھے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ مجھے
ع: خاروں سے غلش نہ پھول سے کاوش ہے
ع: ہر گل کو جگہ کم التفاتی کا ہے
ع: کب غنچہ کی گل جھڑی مہا نے کھولی

لکھنؤ میں غدر کے بعد انگریزوں نے مقامی جاسوس افراد سے مدد لے کر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کیا۔ شریف لوگوں کے لیے زندگی تک و عار سے بدتر ہو گئی۔ ایسے حالات سے انہیں آگاہ تھے۔ چنانچہ صنعت مراعات الخطیر اور استعاروں کی مدد سے انہیں نے حالات کی تصویر کشی کی:

شکل چمن صدق و صفا بگڑی ہے
ہے رنگ نیا بوے وفا بگڑی ہے
پھولوں سے ہے پھولوں کو دغا کا کھنکا
کیا گلشنِ عالم کی ہوا بگڑی ہے

گلزار جہاں سے باغ جنت میں گئے
غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے
ع: ہنرے کی طرح گلوں کو پامال کیا

حضرت علی اکبر بہت خوب صورت نوجوان تھے وہ صورت میں، سیرت میں رفتار میں، گفتار میں، اطوار میں، کردار میں، قد و خال اور پول چال میں پیغمبر اکرمؐ سے مشابہ تھے اسی لیے ان کو ہمیشگی پیغمبرؐ کہا جاتا تھا۔ میر انیس کے مرثیوں اور مساموں کے دفاتر علی اکبرؑ کے سراپا سے سر تا پا نورانی ہیں۔ اس مقام پر ہم صرف رباعیات میں وہ بھی صرف پھول کے مضامین کے تحت جمع آوری کر رہے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ذکر کی گئی رباعی میں انیس نے اس حسن کی توصیف کو ناممکن قرار دے کر قد و خال کو استعارے اور تشبیہ کے پھولوں سے سجا کر گلشن سخن میں پیش کیا ہے:

منہ چاہیے دمف ربخ اکبرؑ کے لیے
تھا سخن اسی سرومن کے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تار رگ گل چاہیے مسر کے لیے

علی اکبرؑ کے قد کو سرو سے سینے کو گل سخن سے اور نازک بدنی کو رگ گل اور مسر سے جو ذکر میر انیس نے غزل گو شعرا کے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے۔ میر انیس کو ان مقدس ہستیوں کا ذکر کرنا تھا جن کے لیے الفاظ کا استعمال اور انتخاب ان کے تقدس کے مناسب ہو یہاں فردوسی کی فرضی داستان نہیں تھی جس میں ایک فرضی

وحشِ رستم کو ہیر دہلایا گیا۔ فردوسی نے کہا تھا:

منم ساختم رستم داستان دگر نہ ملی بود در سیستان
لیکن انیس نے اقرار کیا تھا:

میں کیا ہوں مری طبع کیا ہے اے شہِ شاہاں

حسان و فردوق ہیں یہاں عاجز و حیراں

اسی لیے اس رباعی کے تیسرے مصرعہ میں جنسیت کو مٹانے کے لیے نازک کمر کے مضمون کو نازک بدنی سے بدل کر سو قیادہ ہونے سے بچا کر صوفیانہ کر دیا اسی لیے تو کہتے ہیں اردو شاعری میں اخلاقیات سیکھنے کے لیے میر انیس کی دلیلیز پر جہیں سائی کرنی پڑے گی۔

انیس کی اخلاقی رباعیات کی ایک خاص تعداد غرور کی مذمت، قناعت، خود داری و انکساری فقر و درویشی اور عزت نفس پر مشتمل ہیں۔ میر انیس جو کہتے تھے وہ کرتے بھی تھے اسی لیے ان کے پند و نصائح سے لوگ متاثر رہتے تھے۔ میر انیس عوامی تھے درباری نہ تھے لیکن ان کی پرکشش انسانی اقدار سے لبریز شخصیت کے درباری اور عوامی افراد گرویدہ تھے۔

جن لوگوں نے میر انیس کی شخصیت کا مطالعہ کیا ہے وہ ان رباعیات کو ان کی مظلوم خودنوشت کہہ سکتے ہیں اور یہ مصرعہ انیس کے دل کے ترجمان تھے چنانچہ بقول علامہ اقبال۔

ع: دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
 وہ نواز فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
 لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
 آنکھوں میں کوئی غنی سانا ہی نہیں

یہ اونچ یہ مرتے ہما کو نہ ملے
 یہ دلق مرتع امراء کو نہ ملے
 بخشی ہے خدا نے ہم کو دولتِ فقر
 برسوں ڈھونڈے تو بادشہ کو نہ ملے

ہر صبح کو تو روزِ کرکدھر جاتا ہے
 کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے
 جب ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم
 پھر کس لئے تو رزق کا غم کھاتا ہے

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں
 گر زر کی ہوس نہ ہو ابوذر ہو جائیں
 تو آبی د شامی نہیں درکار انیس
 گر سبہ رفق ملے سکندر ہو جائیں

انہیں کے اخلاقی رہامیات میں ان کے خود ذاتی کردار اور نظام العمل کے ساتھ ساتھ ان کے ماحول اور لکھنؤ کی تہذیب کو بھی بڑا دخل تھا۔ یہ اخلاقی رہامیات ایک مریضانہ ماحول کی پیداوار نہ تھیں ورنہ لکھنؤ میں لکھی نہ جاتیں اور مخصوص لکھنؤ میں مقبول عام نہ ہوتیں۔ لکھنؤ کی تہذیب اور تمدن کے ساتھ یہ انصاف نہیں کہ وہاں کے شعراء و ادب کی داستانوں کے ساتھ کچھ رنگین شعرا کے سوقیانہ اور بازارانہ رنگ کو ساری تہذیب کے کیٹوس پر رنگ دیا جائے۔ میر انیس کی رہامیات کی اخلاقی قدریں اور ان کی سماجی اور اجتماعی پذیرائی اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ لکھنؤ کی نئی تہذیب کو بر ملا کیا جائے اگرچہ ہم جانتے ہیں: ع: ورید بیضا ہر انگشت یکساں نیست۔ اس موقع پر ہم پروفیسر شبیر الحسن لکھنوی کے مضمون کی چند مربوط سطور کو بطور احوال اور استغنا پیش کرتے ہیں:

”یہ رہامیات اسی لکھنؤ میں لکھی گئیں اور وہیں مقبول ہو کر
 قحطین و آفرین کا سودہ بنی ہیں کہ جس کی شاعرانہ تہذیب نے
 میر انیس کو پیدا کر کے اپنے وجود کی ایک فنی علامت بنا دیا
 تھا۔ اس لیے یہ رہامیاں اور ان کے اندر موجود نقطہ نظر میر
 انیس کی آواز نہیں ہیں بلکہ ادوہ اور لکھنؤ کی ان تہذیبی اقدار
 کی زبان گویا ہیں جن کے ساتھ ادبی تاریخ میں بہت کم
 انصاف کیا گیا ہے۔ اگر لکھنؤ کی ساری تہذیب مریض تھی اگر
 یہاں کا ماحول اپنی قحط زوکی کی وجہ سے نیم جان تھا، تو
 توانائی سے لبریز ایسی رہامیاں کیونکر وجود میں آئیں اور اگر

وجود میں آ بھی گئی تھیں تو آبادی کے ہر حلقے اور طبقے میں ان سے اثر قبول کرنے والے مداح کیونکر پیدا ہو گئے۔ اگر یہاں خارجیت کے چونچلوں کے علاوہ اور کچھ وجود ہی نہیں رکھتا تو یہ رباعیاں کس ماحول، کس تہذیب اور کن لوگوں کے داخلی افکار و اقدار کی نمائندگی کرتی ہیں۔ کن لوگوں کی حدیث و بیان کرتی ہیں اور کن لوگوں کے لیے وجود میں آتی ہیں۔ یقیناً یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح یہ رباعیاں انیس کی فکر، جذبے اور کردار کا آبِ زلال ہیں اسی طرح لکھنؤ کی تہذیب و فکر میلان اور اخلاق کے نظریاتی استحکام کا بھی آبِ زلال ہیں یہاں کی اجتماعی تہذیب کی اسی علامت ہیں جس میں داخلیت کو حسن کے بیرونی بیانون سے چھلکنے اور اُٹکنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ رباعیاں اپنے معنوی حسن اور صوری زیبائش کی وجہ سے لکھنؤ کی تہذیب، زبان اور ادب کے متعلق نقادوں کو بالعموم نظر ثانی کی دعوت دیتی ہیں اور انہیں اس داخلی پہلو کی طرف متوجہ کرتی ہیں جسے خارجی اوصاف سے مسور یا بد مزہ ہو کر مسلسل نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔“

میر انیس کا کلام اگرچہ مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں پر مشتمل ہے جو مضمون کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کے اقدار اور زبان کے لحاظ سے برصغیر کی عظیم

زبان اردو سے متعلق ہے لیکن اس کی آفاقیت اس میں شامل درس اخلاق ہے۔ میر انیس کا کلام اخلاقیات کا عمدہ ترین نمونہ ہے یہ بحسن یوسف ہے جس کو مصر کے بازار ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر بازار میں پیش کیا جانا چاہیے۔ شاید اسی کلام انیس کی اخلاقی قوتوں کا احساس کر کے مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا تھا کہ ”غالب کی غزلیں اور انیس کا کلام برصغیر کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے یہ کسی قوم قبیلہ یا منطقہ کی میراث نہیں۔ اخلاق کا تعلق اشرف المخلوقات کی اشراف قدروں سے ہے چنانچہ اس سے ہر انسان فائدہ اٹھا کر اپنے کو احسن التکویم بنا سکتا ہے۔ میر انیس کا موضوع فلسفہ شہادت، کربلا، اولوالعزم خانوادہ رسالت کے اخلاق و کردار اور ایمان سے تازگی اور نمود حاصل کرتا ہے جہاں حق پرستی، سچائی، رحم، عدل، تواضع، استغناء، توکل، عزت نفس، حریت کے ساتھ عداوت، تکبر و غرور، خود پرستی سے کنارہ کشی کی تعلیم بالواسطہ یا بلا واسطہ دی جاتی ہے۔ میر انیس کے اخلاق سازی کا ہر مرثیوں سے زیادہ رباعیوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے میر صاحب کی بہت سی اخلاقی رباعیات زبان زد عام ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی، حرص و ریاکاری دو روزہ زندگی پھر پھری اور موت ایسے مضامین ہیں جن پر انیس کی رباعیات اردو شاعری کی گراں قدر میراث سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے مرثیہ انیس میں کلام انیس کی انسانی لافانی اخلاقی قوتوں کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اپنے ضمیر کو خوش اخلاقی اور خوش کرداری کے زیور سے آراستہ کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میر انیس کا

کلام کسی خاص مذہب و ملت سے وابستہ نہیں، چنانچہ یہ اردو زبان کے شاعروں، ادیبوں اور پرستاروں کا فرض ہے کہ کلام انیس سے خود بھی شناسی پیدا کریں اور دوسری قوموں کو بھی اس آواز جس سے بیدار کریں اور پھر شاید ع: ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں انیس

نمونے کے طور پر مشقی از خردوار ہم چند اخلاقی رباعیات پیش کرتے ہیں۔

خاکساری، بردباری، بجز و عیب پوشی کے عمدہ مضامین کو مصرعوں میں اس طرح سمودیا ہے جیسے دریا کو کوزے میں۔ توکل، قناعت اور عداوتِ حرم پر خوب صورت رباعیاں ہیں:

انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو
خفتی بھی جو ہو تو بُردباری کر تو
پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھ کو
بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تھی مغرورِ ثا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

دل کو مرے شغلِ نگہبازی کا ہے
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غزہ
ہم کو بھی غرورِ خاکساری کا ہے

ہر صبح یہ دوڑ کر کدھر جاتا ہے
کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے
جب ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم
پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

کیوں زر کی ہوس میں درپردہ پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ رے چیری میں ہوس دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

یہ احمق جو لے کے جا بجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کتنا برائے ہر دانتِ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

دنیا بے ثبات ہے فانی ہے۔ ہر شخص یہاں سے خالی ہاتھ گیا کیوں کہ خالی ہاتھ یہاں آیا تھا۔ دنیا مقام عبرت ہے۔ صرف چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو آج پہ تھے زبرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اک سورہ الحمد کے محتاج ہیں وہ

ہے کون جو رنجِ مرگ سینے کا نہیں
احوال یہ گوگو ہے، کہنے کا نہیں
آمادہ کوچ رہ جہاں میں غافل
بھٹیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جا کے نہ آئے، وہ جوانی دیکھی

ریا کاری، منافقت اور سیاہ قلبی پر عمدہ رباعیاں ہیں۔

ہے ملک جسم میں شاہی دل کی
کچھ تو نے نہ دوستی نہائی دل کی
بعد اس کے دعائے سو سپیدی کرنا
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

تا چرخ فغان صبح گاہی نہ گئی
چہرے سے کبھی گردِ جہاں نہ گئی
سب ریش سفید ہو گئی آہ انیس
پر اک سرِ مو دل کی سیاہی نہ گئی

میر انیس اگرچہ مرثیہ گو شاعر ہیں لیکن انھوں نے سلام اور خصوصاً بڑی
تعداد میں رباعیات بھی کہیں ہیں وہ جس طرح درجہ اول کے مرثیہ نگار ہیں اسی
طرح درجہ اول کے رباعی گو بھی ہیں۔ یہ میر انیس کی معجز بیانی ہے کہ انھوں نے
رباعی کے اختصار اور چوتھے مصرعہ کے زوردار لہجہ سے مرثیے کے بند میں استفادہ
کر کے ٹپ کے شعر کو مرثیہ کے بند میں رشک رباعی بنا دیا۔ میر انیس کی رباعیات
ہوں یا مرثیے کے بند، ہر دو اصناف میں بھرتی کے الفاظ، بے جان تشبیہات اور
ڈھیلی بندیش نظر نہیں آتیں۔ میر انیس ایک مکمل فطری شاعر کا قالب ہیں ان کے
اشعار میں جو غاہری صنعتیں نظر آتی ہیں وہ بھی ان کی فطرت کی رنگینی ہے جو ان
کے حسن زبان اور بیان کا فطری حصہ ہے جس میں تصنع نہیں۔ شاعری کی صنعتوں
میں "جھٹیل نگاری" کو اس لیے بھی اہمیت دی جاتی ہے کہ دبستانِ ناسخ اور کھنڈ کی

شاعری میں تمثیل نگاری کو بڑا فروغ ہوا۔ غزلیات ہوں کہ مثنویات، رباعیات ہوں کہ قصیدہ جات، تمثیل نگاری کے کامیاب اور ناکام تجربات سے مملو تھے لیکن اغلب تمثیل نگاری بناوٹی اور اضافی نظر آتی تھی جہاں تک رباعیات کا تعلق ہے میر انیس نے اگرچہ تمثیل نگاری کا کم لیکن صحیح اور فطری استفادہ کیا ہے۔ یعنی تمثیل نگاری سے شعر کے مضمون کو آسمان پر پہنچا دیا ہے جس کی صداقت کا کلمہ قاری پڑھ لیتا ہے۔

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نری سے مطیع سنگ دل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اس رباعی کا دوسرا کرشمہ یہ ہے کہ یہاں صنعت تضاد سے مصرعوں میں جان ڈالی گئی ہے جیسے زمین، آسمان، قوی، ناتوان، نری، سنگ، یہی نہیں بلکہ صنعت حسن تعلیل سے چوتھا مصرعہ منزل کمال پر پہنچ گیا ہے۔ دانت سخت ہیں لیکن زبان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں۔ مصرعوں کے لمبوں میں فرق ہے۔ پہلا اور دوسرا مصرعہ صنعت سواوید اور استفہامیہ ہے مصرعہ سوم بیانیہ ہے۔ مضمون کو پہلے تین مصرعوں میں ارتقادیے کر منطق اور تجربہ کی روشنی میں عزت نفس کے اخلاقی درس کو پیش کرتے ہیں جو ایک کامیاب شاہکار رباعی کی شناخت ہے۔

میر انیس کے پاس درجنوں ایسی رباعیات ہیں ہم ایک اور مشہور رباعی کو

پیش کرتے ہیں:

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتا ہے تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

چاروں مصرعوں میں سلاست روانی آسان بیانی اور دلکشی ہے۔ مصرعوں میں الفاظ ایسے جڑ ویے گئے ہیں کہ بھرتی کے لفظ کا گزر تک نہیں۔ اخلاقیات کے مسائل میں عجز و انکساری فروتنی، خود داری اور خاکساری انساں سازی اور کامیابی کی کلید بتائی گئی ہے۔ یہاں مولانا روم کی روایت:

خوش تر آن باشد کہ سبز دلبران
گفت آید در زبان دیگران

کا چلن ہے۔ کم ظرفوں کی خود ستائی خود ان کی رسوائی کا باعث ہوتی ہے۔ اگرچہ مصرعوں میں بعض اوق اور قاری کے الفاظ مصرعوں کو شان و شوکت کے پوشاک پہنا کر بلند بینوں کے لائق کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی یہ انیس کے کلام کی تاثیر ہے کہ تمثیل ہوتے ہوئے بھی مصرع اور شعر زبان زد عام ہو جاتے ہیں۔ صنعت جمع: انسان جو ایک مشت خاک ہے خدا نے کیا کیا بخشا ہے۔

عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان

اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

(عقل، ہنر، تمیز، جان اور ایمان کو ایک مصرعہ میں جمع کیا ہے)

صنعت جمع: طوبیٰ کوثر بہشت آرام لہ
جو کچھ پایا علی کے گھر سے پایا

(طوبیٰ کوثر بہشت اور لہ ایک مصرعہ میں ہیں)

صنعت مراعات النظیر: طوبیٰ۔ کوثر۔ بہشت

صنعت لفظی سے استفادہ کر کے ٹرکی شان اور خوش بختی کا اظہار کیا یعنی
خُر نے مقدار سے مقداد، سلمان سے اسلام کی منزلت، عمار سے عمر جاودانہ اور زر
سے اجتناب کر کے ابو زر کا رتبہ حاصل کیا۔ مقداد، سلمان، عمار اور ابو زر چاروں
حضرت علی کے عمدہ ترین صحابی تھے۔

خُر نے مقداد کا مقداد پایا

اسلام بھی سلمان کے برائے پایا

عمار کی طرح پائی عمر جاوید

زر چھوڑا تو رتبہ ابو زر پایا

صنعت تکرار، صنعت اعداد، صنعت اشتقاق اور لہجہ ندا اور دعا ذیل کے

مصرعے میں ہیں۔

ع: اک تو پہ تو کیا ہزار تو بہ یارب

صنعت جمع، صنعت اعداد اور صنعت ابداع کو ذیل کے شعر میں

دیکھئے۔

توریت انجیل اور زیور و قرآن

ہیں ایک رہائی صفات حیدر

صنعت اعدا و تکرار کے لڑوم کے ساتھ شعر دیکھئے۔

قربان دوازده امام برحق
بارہ سطر میں یہ ”سورۃ نور“ کی ہیں

کیا غم ہے کہ نور عین زہرا کے لیے
سر دست مژہ سے چلتیاں پٹنی ہیں

اس فوق شعر میں محاورہ سرچینا کے علاوہ کئی صنعتیں ہیں۔ صنعت حسن تعلیل میں دوسرا مصرعہ ہے یہاں شاعر نے چکوں کے جھکنے کو نظم کیا ہے۔ صنعت مراعات اظہیر میں مژہ، چلتیاں اور عین شامل ہیں۔

انیس کے پاس نادر تشبیہات استعارات، تلمیحات اور اشارات کا خزانہ
ان کے کلام میں دفن ہے ضرورت اس کو نقد نظر سے نقد کرنے کی ہے۔

نادر تشبیہ = گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں

نادر استعارات = چشم بد دور بزم ماتم ہے نور

آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

تلمیحات = بنگول کو تاج خسروانی کرویں

درویش کو اسکندر ثانی کرویں

عمدہ تشبیہات = گو صورت دریا ہر تن جوش ہوں میں

مانند مہاب خانہ بردوش ہوں میں

تصویر سے عمدہ مضمون نکالا ہے۔

عریاں ہوں لباس عاریت سے جوں سرو
ہے خاک نشینی میں بلندی مجھ کو
تمیحات سے مضمون تراشا ہے:

انداز کلام حق سمجھتا ہے کلیم
موسیٰ سے سم رموز لن ترانی پوچھو
پورا شعر تمیحات سے سجا ہوا ہے۔

حجم کا ہے نہ چام اور نہ دارا کا شکوہ
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے
خواصورت استعارہ

ع: دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھاووں

بیدار اگر ہوں غلبہ خوابیدہ انیس

حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجیے

یہ شعر صنعت ایہام صنعت تضاد اور صنعت شرطیہ میں ہے۔ مصرعہ ثانی میں رویا کے دو
معنی ہیں ایک اردو میں رونے کے اور دوسرے فارسی میں خواب کے۔ اس ثانی مصرعہ
کے لفظ خواب کے بھی اردو میں خواب دیکھنے کے ہیں اور فارسی میں صرف سونے کے
ہیں۔ اس طرح دونوں مطالب عمدہ ہیں اسی طرح مصرعہ اولیٰ میں صنعت تضاد بیدار
اور خواب کا اچھا پُر کیف استعمال ہے۔

ہماری دنیا کے سات بلین افراد اگر کسی ایک چیز پر متفق ہیں تو وہ موت ہے۔ کوئی بھی انسان موت کا منکر نہیں۔ مختلف اذہان اور ادیان میں موت کے مسائل اور فلسفے میں اختلاف ہے اور موت کی بعد کی زندگی کے متعلق علیحدہ علیحدہ بیانات اور رجحانات نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال کی شاہکار تمثیلی نظم جاوید نامہ میں عارف ہندی وشوامتر جس کو اقبال نے جہان دوست کا لقب دیا ہے اپنی نصیحتوں اور نکات میں اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ صرف ایک علم کو بندہ اللہ سے زیادہ جانتا ہے اور وہ علم الموت ہے۔ اللہ کو موت نہیں لیکن بندہ کو موت آنی لازمی ہے۔ چنانچہ وہ موت کو اللہ سے افزوں تر جانتا ہے۔ اردو شاعری میں حیات اور ممات کے مسائل پر دلچسپ اشعار نظر آتے ہیں لیکن میر تقی میر کی زبان میں موت سلسلہ حیات میں دم لینے کا وقفہ ہے۔ ع: اور آگے چلیں گے دم لے کر تو چمکتے کی نظر میں:

ع. موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

لیکن اس تحریر میں ہم نے صرف میر انیس کا موت سے استقبال، موت سے پیار اور قبر سے الفت کے مطالب کو رباعیات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سچ ہے میر انیس نے موت کے عمیق فلسفہ اور منطق کو نظم نہیں کیا لیکن موت کا تعارف اور اس کی حقیقت اس کی تیاری اور اس سے غفلت کے معنر اثرات کو عمدہ ترین لہجہ اور بیان میں پیش کیا ہے اردو ادب کے مرثیہ گو شعرا نے جو رباعیات موت، قبر، زندگی پس از مرگ نظم کی ہیں وہ لا جواب ہیں۔ اگر انیس، دج، انیس اور پیارے صاحب رشید کی رباعیات ان موضوعات پر نہ ہوتیں تو اردو

شاعری کا یہ گوشہ ویران رہتا۔ اس ملکستانِ ممات میں انہیں نے جو پھول کھلائے ہیں ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ان کی بو سے اذہانِ خلد بریں کی خوشبودر کر سکیں۔

موت حتمی ہے ہر ایک کو یہاں سے کوچ کرنا ہے
جب سرورِ عالم نہ رہے کون رہے گا؟

آرام سے کس دن تیرا فلاک رہے
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں
انہوں نے جب متعجب پا کر رہے

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لیے
انسان کا دل ہے داغ اٹھانے کے لیے
بوڑھا ہو کہ نوجوان، غنی ہو کہ فقیر
سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
غافل تھے فکرِ آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا
آنا حیرا دلیلِ حرام جانے کی ہے

پھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
 رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
 اللہ سے تو لگی ہوئی ہے میری
 اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے
 اس باغ جہاں سے مثل بو نکلیں گے
 جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو
 پر جب نکلے یہ آمد نکلیں گے

میر انیس کی دردِ شانہ زندگی، عزتِ نفس کی پائیداری، قناعت، توکل اور
 ماضی دنیا سے چیزاری نے ان کے ماحول کے دوسرے افراد کے برخلاف انہیں
 طلبِ دولت و مقام اور شہرت سے دور رکھا۔ چنانچہ ان کے قول اور عمل میں یکساںگی
 ہوئی۔ اسی لیے انیس کی بعض رباعیات جو ان اخلاقی قدروں سے سجائی گئی ہیں
 زبانِ زو عام ہو گئیں۔ اردو ادب میں یوں تو قبر اور فن پر کچھ کچھ اشعار ملتے ہیں
 لیکن کسی شاعر نے انیس کی طرح قبر اور خاک سے پیار نہیں کیا۔ انیس کی یہ
 رباعیات انسان کو موت کا خوگر بناتی ہیں اور موت کے خوف کو بڑی حد تک مٹا دیتی
 ہیں اور اس طرح زندگی کو کامیاب اور موثر بنا کر ہر لمحہ زندگی کو موت کے استقبال
 کے لیے تیار کرتی ہیں۔

قبر سے پیار اور محبت کا اظہار کیا اس سے اچھا ہو سکتا ہے۔

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
 زرخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
 کیونکر نہ پتے نے تجھ سے سوؤں اے قبر!
 میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

فردوس ہر اک قبر کا کون ہوگا
 محفل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
 راحت دنیا میں غیر ممکن ہے انیس!
 آرام سے ہاں، لحد میں سونا ہوگا

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے
 آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
 نے دوست کا بھگڑا نہ کسی دشمن کا
 مرقد بھی عجب گوشہ تنہائی ہے

انسان قبر میں کوئی چیز ساتھ نہیں لے جاتا۔ سکندر جب اس دنیا سے گیا تو
 اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ فلاسفر اور نفسیات کے ماہرین کے قول کے مطابق وہ
 انسان جو بعد از مرگ زندگی کا قائل رہتا ہے وہ انسان سازی، ہمدردی اور احترام

آدمیت کے کام دوسرے افراد کی نسبت زیادہ کرتا ہے۔ میرا نیس نے اعمال نیک کی اہمیت دکھا کر عبادت الہی اور خدمت خلق کا درس دیا ہے۔

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد خاک پھر آئے احباب
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے
تھا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے
کوئی نہ شریکِ حال ہوگا اپنا
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

میرا نیس کی رباعیات میں عمدہ تصوفی اقدار کی تشہیر اور تاکید ہے۔

برہادِ گراں جنس کو بے قول نہ کر
حیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک ناں ہے انیس دستِ دو نان سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کنگول نہ کر

یہاں ہاتھ پھیلا نا، سوالِ نان اور کنگول فصاحت کے سلیس جملوں میں غضب کی بلاغت ہے۔

شاہوں کو نصیب بخرو بر کی تحصیل

یاد رہے مجھے نان خشک و چشم تر دے

بڑی خوبصورتی کے ساتھ بخرو بر کی تحصیل کو شاہوں سے جوڑا ہے یعنی حکمران خشکی اور تری کو اپنی سلطنت کی وسعت میں شامل کرنے کے لیے دن رات مصروف رہتے ہیں لیکن اس درویش مزاج عارف کو صرف خشک روٹی اور آنکھوں کی تری یعنی شرم و حیا کی آرزو ہے۔ اس رباعی کے شعر میں عمدہ مضمون کے علاوہ ایسی صنعتیں کھپ گئی ہیں جو خود بہ خود مضمون شعر کا حصہ بن گئی ہیں۔ صنعت تضاد میں بخرو بر، خشک و تر کے ساتھ ساتھ لف و نشر غیر مرتب یعنی بر کو خشک اور بخرو کو تر سے جوڑا گیا ہے۔

ہاں دولت فقر مصطفیٰ دیوں گے

توقیر شرف شیر خدا دیوں گے

ہوگا جو گوشت گیر مثل ابرو

مردم آنکھوں پہ تھکوا جا دیوں گے

پوری رباعی تقلیدری اور فقری مضامین سے لبریز ہے۔ دولت فقر صنعت تضاد سے معنی آفرینی اور عمدہ بیانی محسوب کی جائے گی۔ شیر خدا لقب حضرت علی اور ان سے منسوب توقیر شرف کی دین ہے۔ صنعت ابہام میں گوشت گیر ابرو کی طرح اور آنکھ کی سیاہ پتلی یا مردم کا افراد سے۔ صنعت ابہام نے صنعت حسن تعاقیل کا بھی بندوبست کر دیا ہے۔ یعنی اگر آنکھ کی سیاہ پتلی کی طرح سے گوشت میں رہے گا تو لوگ آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ یہاں آنکھوں پر بٹھانا کا محاورہ بھی مضمون میں قابل غور و ستائش

ہے۔ انیس فقر اور استغنا کی مدح کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی ان اقدار حسنہ کے عمل
بمیرا تھے۔

وہ صبر مرا وہ بردباری تیری
بھولے گی نہ مجھکو مر کے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی بنا ہے اے فقر
جس طرح سے نہہ گئی ہماری تیری
تصوف میں عزت نفس کی شوکی تعلیمات ملتی ہیں۔ یہاں کسی کو ادنیٰ اور حقیر جاننا
جائز نہیں۔ یہاں بقول مولانا روم۔

ع: دل بدست آرو کے حج اکبر است

عیب پوشی صفات کبریا میں شامل ہے۔ یہ تمام مطالب اور اخلاقی تصوفی مضامین
میرا انیس کی رباعیات میں بدرجہ احسن نظم ہوئے ہیں۔

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
محبوب نہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولّا میں چلیں
یہ ہاتھ جب انہیں تو خدا کے آگے

یارب رہیں بحر موج نہ کر
شرمندہ اہل دولت و تاج نہ کر
یارب قسم روح یہ اللہ تجھے
اس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر

ہے اوج کمال و نیک نفسی کی دلیل
ادنیٰ بھی ہو مگر تو اس کو اعلا سمجھے

منظور اگر ہے جادلوں میں اے دوست
بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

کہہ دے کوئی عیب جو سے سرکشی میں
ڈھپ جاتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں
گر زر کی ہوس نہ ہو، ابوذر ہو جائیں
تواہی و شاہی نہیں درکار انیس
گر سہِ رمق ملے سکندر ہو جائیں

یہ اوج یہ مرتبہ ہا کو نہ ملے
یہ دلیِ مرثعہ امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
وہ نظر فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ سانبر استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غمی آتا ہی نہیں

وہ مبر مرا، وہ بردہاری تیری
بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی نہا ہے اے فقر
جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

اردو ادب کی تاریخ اس وجہ سے بھی مکمل نہیں کہ اس میں صرف نثری حوالوں سے کام لے کر شعری ذخیرہ کو نظر انداز کر دیا گیا چنانچہ اگر منظوم استاد سے کام لیا جاتا تو بہت سے مقامات کی خانہ پڑی ہو جاتی۔ مرثیوں کے چہروں اور بعض سماجی اور ذاتی رباعیوں سے حالات اور واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ مرزا ادبیر نے اپنی ایک رباعی میں ترکی افواج کی کربلا میں قتل و غارت کا تذکرہ کیا ہے جس میں شہیدوں کی تعداد بائیس ہزار افراد بتائی ہے۔ اگر یہ رباعی کا حوالہ نہ ہوتا تو ہم تاریخی المناک واقعہ سے بے خبر رہتے۔

ع بائیس ہزار حیدری قتل ہوئے

میر انیس کی بعض ذاتی رباعیوں میں ان کی خوشی، بیماری اور غم کی وارداتیں محفوظ ہو گئیں ہیں۔ میر انیس نجف اور کربلا کی زیارات کے مشتاق تھے چنانچہ اپنی

لڑکیوں کی شادیوں سے فرصت پانے کے بعد جو رباعی کہی وہ یہ ہے:

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں

توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں

تقدیر نے چیزیاں تو کاٹی ہیں انیس

کیوں رک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

سید محمد عباس جو میر انیس کے خاندان کے فرد تھے لکھتے ہیں: ”میر انیس نے

مرنے سے دو سال قبل قبر کی زمین جولائی ۱۸۷۲ء میں میر فیض الدین سے

ایک سو روپے میں خریدی اور فروری ۱۸۷۳ء میں میونسپل بورڈ سے قبر کا

اجازت نامہ حاصل کیا۔ آخر رمضان ۱۲۹۱ ہجری میں دوسرا درتپ میں جھلا

ہوئے۔ لکھنؤ کے نامور اطباء علاج میں مصروف رہے لیکن ع: مرض بڑھتا

گیا جوں جوں دوا کی پھر اسہال کبدی کی بھی شکایت ہو گئی اور میر صاحب

صحت سے مایوس ہو گئے۔ اس دوران جو رباعیات کہی ہیں ان میں بعض یہاں

درج کی جاتی ہیں۔

ہر لکھ کھنی جاتی ہے طاقت میری

بڑھتی ہے گھڑی گھڑی فقاہت میری

آتا نہیں آب رفتہ پھر یو میں انیس

اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

جیسے جیسے مرض بڑھتا گیا میر صاحب کی رباعیوں نے ان کی داخلی حالت کا

انکشاف کر دیا۔

ہے سخت طول طبع ناساز مری
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری
اللہ رے زور ناتوانی کا انیس
آوازۂ مرگِ دل ہے آواز مری

عازمِ طرفِ عالم ہالا ہوں میں
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یا رب! ترا نامِ پاک چنے کے لیے
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں
لیکن میرا نیتس کو شفا کا بھروسہ صرف ہوا شافی ہی سے تھا

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے
ہر درد میں خالق کا کرم وانی ہے
درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو
اعدادِ امامِ قل کفٰی کافی ہے
آخر کار میرا نیتس اس لحظہ کے منتظر ہے

نیار کی ہالیں پہ میٹھا آئے
آقا آئے، ہمارے آقا آئے
مجلت کا محل ہے پیشوائی کے لیے
اے جانِ نکلِ علی اعلیٰ آئے

اور ۷ دسمبر ۱۸۷۳ مطابق ۲۹ شوال ۱۲۹۱ ہجری روزِ درشنہ شام کے وقت طائرِ روح میر صاحب کے جسمِ ناتواں سے پرواز کر گیا۔ دریا پر میت کو غسل دیا گیا۔ مولانا سید بندہ حسین قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کو اپنی خرید کردہ زمین میں دفن کیا۔ بڑے بیٹے نے انیس کی فاتحہ کی مجلس میں جب یہ انیس ہی کی رہائی پڑھی تو رونے کا کھرام برپا ہو گیا:

دردا کہ فراقِ روح و تن میں ہوگا
پنہاں تنِ ناتواں کفن میں ہوگا
اُس روز کریں گے یادِ رونے والے
جس دن نہ انیسِ افجمن میں ہوگا

مرزا غالب سے انیس کی ملاقات غالباً لکھنؤ میں اُس وقت ہوئی تھی جب وہ انتظار کی کھڑیاں اس امید میں گزار رہے تھے کہ شاہِ اودھ انہیں اپنے دربار میں مدعو کریں گے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انیس فیض آباد میں مقیم تھے لیکن مسلسل لکھنؤ آتے رہتے تھے۔ جب غالب کے انتقال کی خبر میر انیس کو پہنچی تو انہوں نے غالب کے نام سے فائدہ اٹھا کر خوبصورت رباعی لکھی جو آج بھی انیس کے خطِ تحریر میں محفوظ ہے۔

گلزارِ جہاں سے بارغِ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداحِ علی کا مرتبہ اعلیٰ ہے
غالبِ اسدِ اللہ کی خدمت میں گئے

اسی طرح ایک اور رباعی میرا نیتس نے اپنے سمدھی میر مہدی علی لکھنوی کی وفات سے متاثر ہو کر کہی تھی جو اس مجموعہ رباعیات میں شامل ہے۔ میرا نیتس صرف ایک بار حیدرآباد دکن گئے جہاں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی اور تمام حیدرآباد ہیرو ہو گیا۔ انیس کی دو رباعیوں میں امرائے حیدرآباد اور عوام حیدرآباد کو دعا یہ انداز میں خراج پیش کیا گیا ہے۔

اللہ و رسول حق کی امداد رہے
سرہنر یہ شہر فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیس اعظم ایسے
یارب آباد حیدرآباد رہے

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں
علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں
مختار الملک و ہندوگان عالی
رحمت رحمت پہ، نور پر نور ہے یاں

سید محمد عباس لکھتے ہیں میرا نیتس نے اپنی پہلی مجلس جو حسینہ اکرام اللہ خان لکھنؤ میں ہوئی ذیل کی رباعی پڑھی جس کی بہت تعریف ہوئی:

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا
ظن علم صاحب معراج ملا
منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

۱۸۵۷ء کے بعد غدر میں لکھنؤ لٹ گیا۔ عزاداری بڑی حد تک متاثر رہی۔ غدر کے بعد کے محرم میں برسات نے بھی مجالسوں کو بے رونق کر دیا تو میر انیس نے یہ رباعی پڑھی۔

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اس سال
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

اسی زمانے میں میر انیس کی ایک مشہور مجلس جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوئے تھے جو نواب قتل حسین خاں کی بارہ دری کٹڑہ ابو تراب خان میں انیس نے پڑھی جہاں اتنا بڑا مجمع انیس کو سننے کے لیے جمع ہوا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں رہی۔ یہ رباعی فی البدیہہ اسی مجلس کی یادگار ہے۔

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے، اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس
ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی
اسی غدر سے متاثر ہو کر انیس نے استغاثہ کیا تھا۔

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
کیوں چراغ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک، نکل چلو جلد انیس
اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

کلام انیس کی قدر:

یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کے عظیم ہنرمندوں اور تخلیق کاروں کو اپنے دور کے لوگوں سے شکایتیں رہیں کہ انھیں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ چنانچہ بعضوں نے خود کو ”عندلیب گلشن نا آفریدہ“ کہا تو کسی نے اپنے آپ کو ”شاعر فردا“ اور کوئی ہمسرا ان کہن سے مایوس اور نامید رہا۔ میرا انیس نے بھی چند اشعار میں اس ناقد ری کی شکایت کی ہے۔ سچ یہ بھی ہے کہ چند خن شناس اور اہل کمال جو میرا انیس کے ہم عصر تھے۔ وہ میرا انیس کے کلام کے ایسے قدرداں تھے کہ آج تک کوئی ان کا ہم پلہ ایسا پیدا نہ ہو سکا۔ یوں تو ہر دور میں انیس کے کلام پر نقد و تہرہ ہوتا رہا لیکن اس تنقید کی رسائی خود محمد وحشی جو ناقدین کے ذوق خن اور خن شناسی پر محیط تھی۔ بلند قامت شاعر اور نابذ روزگار تخلیقی شخصیت کو کمتر درجہ اور فکر کے افراد پوری طرح درک نہیں کر سکتے، چنانچہ اس المیہ سے دو چار انیس شناسی بھی رہی۔ انور سدید نے ”میرا انیس کی اقلیم خن“ میں بہت صحیح لکھا ہے۔

”میرزا غالب کو اپنے زمانے سے ناقد ری کا شکوہ تھا لیکن وہ خوش قسمت تھے کہ انھیں حالی اور الفت جیسے شاگرد دوران حیات اور عبدالرحمن بجنوری جیسے قدرداں بعد از ممات ملے جنہوں نے ان کی زندگی اور شاعری کی مختلف جہتوں کو محفوظ رکھنے کی اولین کوشش کی اور غالب کی زندہ شخصیت اور اس کے جاوید کلام کو بقائے دوام کا درجہ حاصل ہو گیا۔ میرا انیس کو اپنے

زمانہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کا مرثیہ پورے لکھنؤ کی آمد سمجھا جاتا تھا جس مجلس میں پڑھتے تیل دھرنے کی جگہ نہ ملتی۔ پورا لکھنؤ ٹوٹ پڑتا۔ تاثر اتنا گہرا ہوتا کہ آہ و بکا اور نالہ و شہیوں کا شور از زمین تا آسمان مچا ہو جاتا۔ آنکھیں گرہِ غم سے اتنی بوجھل ہو جاتیں کہ سیلاب اشک بہہ نکلتا۔ ان کے اپنے عہد نے ان کے بلاغت و بیان پر قدر دانی کی جو مہرِ ثبت کی تھی زمانہ اس پر تو کوئی گرد نہیں ڈال سکا لیکن ان کے حلقۂ احباب میں کوئی خالی نہیں تھا جو ان کے حالات زندگی جمع کرتا اور پھر کوئی بجنوری بھی پیدا نہ ہوا جو یہ پرکھتا کہ انیس نے کتنے بڑے المیہ کو بیسویں صدی کے انسان کے کبھی تجربے کا حصہ بنا دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ میر انیس کے حالات زندگی ماضی کے اوراق میں گم ہو چکے ہیں اور اس کے فن کی تحسین موازنہ انیس و دیر سے آگے نہیں بڑھی۔“

شعرِ غنمی کے لیے سخن دانی، سخن شناسی، غلیٹ، وسیع اساتذہ کے اشعار کے مطالعہ کے ساتھ سب سے اہم چیز ”ذوقِ سلیم“ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو شعر کی گیرائی اور گہرائی تک احساس کی طاقت کو ہمیز کرتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں جذبات متحرک ہو جاتے ہیں اور شعرِ رگ و پے میں عمر بھر کے لیے جذب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سخن شناسوں نے شعر کہنے سے زیادہ مشکل کام شعر کے سمجھنے کو بتایا ہے۔

شمر گفتن گرچہ دُر سلقن بود
لیک فہمیدن بہ از گفتن بود

یعنی اگرچہ شعر کہنا موتی پر دنا ہے لیکن شعر سمجھنا اس کام سے بھی بڑا عمل ہے۔ میر انیس کو احساس تھا کہ ان کے اشعار کی پوری طرح قدر و قیمت نہیں کی جا رہی ہے۔ صرف چند اہل علم تھے جو انیس کی شاعری کے نفسیاتی نکتہ کو محسوس کر کے ان کی معجز بیانی سے لطف اندوز ہوتے تھے لیکن زیادہ تر عوام سطحی طور پر شعر کو پرکھتے۔ اسی لیے انیس نے کہا تھا:

درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستان کا سبق یاد کریں

وٹائے رقبات ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیے اس کو

اردو ادب کا کوئی شاعر محاورہ بندی میں میر انیس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔۔ میر انیس کے مرثیے، سلام اور رباعیات صحیح محاوروں سے بھرے پڑے ہیں۔ کئی جدید محاورے ایسے ہیں جنہیں شاعروں نے ہاتھ بھی نہ لگائے تھے حیف کہ میر انیس کو مرثیہ کا شاعر کہہ کر ان کی شاعری سے منہ موڑ لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو ادب کا دامن ان جواہرات سے مملو ہونے کے باوجود تہی دامن رہا۔ صاحب فرہنگ لغت آصفیہ جناب سید احمد دہلوی نے میر انیس کو محاورات کا بادشاہ کہا ہے۔ ان اشعار اور مسملوں میں محاورے دیکھیے۔

- رباعی شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا (دل جلنا۔ محاورہ)
- آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا (دھواں منہ سے نکلتا۔ محاورہ)
- افسوں کے میدان میں بنے کام نے
- دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا (ہاتھ ملنا۔ محاورہ)
- ع = آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب (نصیب کا سونا۔ محاورہ)
- ع = تا حشر رہے گا نام اس سے روشن (نام روشن ہونا۔ محاورہ)
- ع = تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرہ اترا (چہرہ اترنا۔ محاورہ)
- ع = کعبہ اسی ماتم میں سپہ پوش ہوا (سپاہ پوش ہونا۔ محاورہ)
- ع = تھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاؤ (ہاتھ دھونا۔ محاورہ)
- ع = چشم بد دور بزم ماتم ہے نور (چشم بد دور۔ محاورہ)
- ع = آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انہیں (آنکھوں کو بچھانا۔ محاورہ)
- ع = الٹا دریا بہا، ہوا بگڑی ہے (محاورہ۔ الٹا دریا بہنا ہوا بگڑنا)
- ع = آتا نہیں آب رفتہ پھر جو میں انہیں (فارسی محاورہ۔ آب رفتہ در جو پرتی گزرد)

میر انہیں نے بعض مصرعوں میں آیات احادیث اور عربی فقرے بڑی مہارت سے اس طرح بیست کر دیے ہیں کہ وہ انہیں معلوم نہیں ہوتے اسی طرح کا عمل میر انہیں بعض ادق اور غیر مانوس الفاظ کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔

- =ع اک غلغلۂ جزاکم اللہ ہوا
 =ع ان کے لیے گویا من وسلوا اُترا
 =ع کعبہ کو ید اللہ نے آباد کیا
 =ع جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہوا
 =ع ہے وارو حلّاتی عطائے حیدر
 =ع ہنس کر طوئی لکم علی کہتے ہیں
 =ع اک پارۂ نان کے لیے لاحول ولا
 =ع ہر آہ میں ہو صدا کہ مانتی وقدرت
 =ع ہر سانس میں لا الہ الا هو
 =ع اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ
 =ع اے حضرت صاحب الزماں! اور کئی
 =ع روجی بہ جان فدا یا حسین ابن علی
 =ع اداو امّ قل کلمی کافی ہے
 =ع جب صلی علی نبیؐ والہ کہیے

میر انیس کو الفاظ پر وہ قدرت حاصل تھی کہ وہ ان کو دوسرے الفاظ سے ملا کر نئے نئے تراکیب تراشتے۔ میر انیس نے سیکڑوں نئی تراکیب بنائی ہیں ہم یہاں چند تراکیب جو انھوں نے رباعیات کے اشعار میں غلق کیں ہیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

نادر اور جدید تراکیب اور اضافات الفاظ

بندِ اجل، حظِ جوانی، بابِ خیر، فرطِ بکا، چاہِ دنیا، تخیلِ
 خاکساری، رفیقِ تربت، لطفِ سیرِ صافی، سیرِ تاثیر، راہِ
 رضا، چراغِ دودماں، کر بلائیِ تسبیح، حلالِ مہنات، عزو
 جاہِ ذاکر، مخزنِ علومِ نبوی، خالقِ ذوالفضل و کرم، فکرِ
 نان و اندوہِ لباس، سبِ رفق، ساغرِ استغنا، دسبِ مژدہ،
 مطبِ عینِ نظم، نافذِ کشائے سخن، مردمِ آبی، قفلِ ابجد،
 سرمہِ سلیمانی، غرورِ خاکساری، مجیبِ الدعوات، میوہِ لعل
 قدانساں۔

حمدیہ نعتیہ اور مشقّتی کلام کے نمونے

میر انیس نے تقریباً تین درجن کے قریب عمدہ حمدیہ اور مناجاتی
 رباعیات کہی ہیں۔ ہم ان رباعیات پر آگے کے صفحات میں تبصرہ اور ان کا تجزیہ
 کریں گے۔

لکھن میں مہا کو جیتو تیری ہے
 بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
 جس پھول کو سوگھتا ہوں تو تیری ہے

گلشن میں پھردں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جاجری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

پہلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگ جاں سے اور پھر اُس پر یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

حضور ختمی مرتبت کے بدن کا سایا نہ ہونے کی لطیف دلیل ہے۔
اللہ ری لطافت حق پاک رسول
ڈھونڈا کیا آفتاب سایہ نہ ملا
حضور کی معراج کے مضمون پر یہ شعر دیکھئے۔

باریک ہے ذکر قرب معراج رسول
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

شق القمر و رجعت خورشید بہین
احمد کے لیے وہ اور یہ حیدز کے لیے

میر انیس نے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث ”میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں“ نقل کی ہے۔

یہ باب میں حیدز کے نئی کہتے تھے
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا
نہ شرع چھٹی کوئی، نہ پردا اُترا
تھا کشتی احمدؑ سے علاقہ جس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

یا ختم رسل! مت نئے اُلٹت ہیں
قدموں کی قسم کہ عاشق صورت ہیں
دیکھا جو حضورؐ کو، خدا کو دیکھا
اس وجہ سے ہم بھی قائل رویت ہیں

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا این ابی طالب سے
جب شاہ عرب ملے تو رب کو پایا

غالب کی طرح انیس کے پاس بھی حضرت علی کا عشق ان کے کلام کے ہر لفظ سے نکلتا ہے اور شاید علامہ اقبال بھی اسی مہکتی ڈکشن کی توسیع ہو۔ علی کا نام آتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیس کی طبیعت جھوم جھوم کر نذرانہ پیش کر رہی ہے۔ یوں تو منقبتی رباعیات کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے جن میں اغلب حضرت علی کی شان میں ہیں۔ منقبت کے اس نگزار کی میر حاصل گفتگو ہماری اس اجمالی تحریر میں ممکن نہیں اس لیے صرف بمقدار زعفران کے رنگ اور خوشبو کے ساتھ کام و ذہن کا بندوبست ہو سکے ہم صرف چند رباعیات اور کچھ رباعیات کے اشعار اور مصرعوں کو پیش کریں گے تاکہ خواص و عوام و دیوان میں موجود تمام مہکتی رباعیات سے حعارف اور مستفید ہو سکیں۔ میر انیس نے تقریباً دس رباعیات حیدر کی ردیف میں نظم کی ہیں۔

ہے چادر نور حق روئے حیدر
خورشید ہے نقش کف پائے حیدر
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک
یہ جائے محمد ہے وہ جائے حیدر

دنیا سے اٹھالے کے میں نام حیدر
جنت کو چلا بہر سلام حیدر
عصیاں ہوئے سب رہ تو رضواں نے کہا
آنے دو، اسے ہے یہ غلام حیدر

ساقی شراب خوش کوش حیدر
 حای حیدر، شفیق محشر حیدر
 پوجھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا
 میں قبر سے چلاؤں کہ حیدر حیدر

=ع= جامِ عرفاں ہے چشمِ مست حیدر
 =ع= گلدرت باغِ دیں ہے دستِ حیدر
 =ع= شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر
 =ع= قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدر
 =ع= تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدر
 ۔ ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
 آئینہٴ نور ہے مزارِ حیدر
 ۔ یعقوب و خلیف و یوسف و آدم و نوح
 سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

(اس عمدہ شعر میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے ناموں کے ساتھ کثرت
 اضافت کے باوجود صنعتِ جمع کی دلربائی اور مولا علی کی مشکل کشائی کی ضمانت
 شامل ہے)

۔ ہاں نور محمد و علی ہے واحد
 ہیں اسم تو دو مگر سنی ہے ایک

معبود کے عہد ہیں نصیری کے خدا

بندہ کوئی حیدر سا خدائی میں نہیں

”خجتنی پاک کی شان میں خوب صورت رباعی کہی ہے کہ لوح و قلم کا مقصد ان کی مدح سرائی ہے۔

جب لوح و قلم ہوے قرآنِ امجدین

فرمانے لگے یہ اُن سے رب کو نہیں

تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا

ہیں احمد و حیدر و بول و حسین

مشہور واقعہ ہے کہ میر انیس نے جب بچپن میں شاعری شروع کی تو اپنا تخلص حزیں رکھا۔ ہمارے درمیان کوئی منظوم تحریر ایسی نہیں جس پر یہ تخلص درج ہو۔ کہتے ہیں جب میر انیس کے والد میر خلیق نے انیس کو ناسخ کی شاگردی میں پیش کیا تو ناسخ نے میر انیس کا تخلص میر بہر علی حزیں سے میر بہر علی انیس کر دیا۔ غزل گو یوں کے مقابلے میں مرثیہ گو یوں کو تخلص کہنے کے مواقع اس لیے بھی کم ہوتے ہیں کہ ایک طرف غزل کے چھ شعر کے بعد تخلص لایا جاتا ہے اور دوسری طرف چھ سوا شعرا کے بعد بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن میر انیس نے حسب ضرورت مرثیوں اور سلاموں میں اپنا تخلص رکھا جو زبان زد عام ہو گیا۔

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ

چراغ لے کر کہاں سامنے ہوا کے چلے

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
 انیس نہیں نہ لگ جائے آب کیوں کو
 خدا بات رکھے جہاں کہیں انیس
 یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے
 تجھ پہ شے کی نظر و عنایت ہے انیس
 یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست ہے انیس

بعض غزل کے شاعروں نے اپنے تخلص سے خاص استفادہ کیا ہے جس کو صنعت
 حسن تخلص کہتے ہیں جن میں مومن، درد، غالب، داغ اور دل وغیرہ شعرا شامل
 ہیں۔ انیس نے سلاموں اور رباعیات میں تخلص کو مضمون کے بیان، فن کے
 تعارف، عجز انکساری اور اطلب دعائیہ اور مناجاتی انداز بیان میں صرف کیا
 ہے۔ میر انیس کی تقریباً دس فیصد رباعیات میں تخلص نظر آتا ہے اگر ان مصرعوں
 کو ایک موتیوں کی لڑی سے پردہ کر دیکھا جائے تو میر صاحب کی شخصیت کے
 ساتھ ساتھ ان کے فن پر خوبصورت اور صحیح معلومات بھی حاصل ہو سکتے ہیں
 چنانچہ ہم نے بغیر کسی مزید تشریح اور توضیح کے سلسلہ دار تخلصی اشعار اور مصرعوں
 کو یہاں رکھا ہے۔

1 بھری کی بھی دوپہر دھلی آہ انیس

ہنگام غروب آفتاب آہینچا

2 تہائی میں آہ کون ہوئیں گے انیس

ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

3 اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا

بے سود انہیں ہر دوا کو دیکھا

4 سمجھے کہ خلاف رسم عالم ہے انہیں

جس دم کسی بادام کو تو آم دیکھا

5 ناکام چلے جہاں سے افسوس انہیں

کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

6 آ علوت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انہیں

کیا گزرے کی جب قبر میں سونا ہوگا

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انہیں منہ ڈھانپ کے سونہیں سکتے تھے)

7 اُس روز کریں گے یاد رونے والے

جس دن نہ انہیں انجمن میں ہوگا

(جب میر نفیس فرزند اکبر نے انہیں کی سوئم کی مجلس میں یہ شعر

پڑھا تو سامعین کے رونے سے کہرام بلند ہوا)

8 اتھو اب انتظار کس کا ہے انہیں

نے عمر پھرے کی نہ شباب آئے گا

9 پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انہیں

نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

10 راحت دنیا میں غیر ممکن ہے انہیں

آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

- 11 آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انہیں
- ملتی نہیں جا بزم میں بتل دھرنے کی
- 12 کشتی سے انہیں ہم کنارے ہو جائیں
- الٹا دریا بہا ہوا مجبزی ہے
- 13 لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انہیں
- جو منگ سے پال تھے وہ کافور ہوئے
- 14 کچھ پھل نہ ملے گا سین تحسین سے انہیں
- یہ فحل ترقی کے لیے اڑہ ہے
- 15 کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انہیں
- جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے
- 16 یہ بے خبری ہزار افسوس انہیں
- بڑھتے ہیں گنہ عمر کھٹی جاتی ہے
- 17 راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انہیں
- جو سر رکھتا ہے درد سر رکھتا ہے
- 18 مرنے کا تو دن گزر گیا شکر انہیں
- اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے
- 19 دل بت سے اٹھا کے حق پرستی کیجیے
- بے تیج انہیں قطع ہستی کیجیے
- 20 یہ ہے غم شہیز کی تاثیر انہیں
- آواز قلق سوگ نہیں ہوتی ہے

- 21 نازاں نہ ہوں دل سوزی ظاہر پہ انیس
جلتی نہیں شمع اہل ماتم کے لیے
- 22 کیوں نام کفن لے کے لرزتا ہے انیس
اک دن یہ قبا زیب بدن ہوتی ہے
- 23 مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس
افک ان کے بھی موتی ہیں مگر مہوئے ہیں
- 24 ہے راہ بہشت کتنی ہموار انیس
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں
- 25 دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیس
جتا ہے جو بے شمع وہ پردانہ ہوں
- 26 پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس
قبر کا جو مولہ ہے غلام اس کا ہوں
- 27 رکھ ہاتھوں کو اپنے شغل ماتم میں سدا
پھر قصر جتاں انیس مر کر لے تو
- 28 پختہ دانہ زمیں سے اگتا ہے انیس
سرسبز ہو کیوں کر کہ ابھی خام ہے تو
- 29 گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیس
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو
- 30 رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں انیس
اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

- 31 ایام شباب کس کو کہتے ہیں انہیں
موسم طفلی کا تھا کہ چیری آئی
32 انسوس یہ عصیاں یہ عباہی دل کی
کی خوب انہیں خیر خواہی دل کی
33 باندھو کمر آداب بہا لاؤ انہیں
فرمان طلب حضور سے آیا ہے
34 اپنی داندگی سے گھبرا نہ انہیں
پہنچا کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے
35 عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انہیں
یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا

(اس مقطع میں بند اجل کی ترکیب بہت نئی اور عمدہ ہے۔ مزید
یہاں صنعت مراعات النظیر کی کارفرمائی بھی ہے یعنی
عقدے، بند، حل وغیرہ)

- 36 جب ہوش میں آ کے تھم گئی طبع انہیں
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اتر ا
37 پیدا کیا سب کچھ تو مگر آہ انہیں
زاوہ سفر مرگ، مہینا نہ کیا
38 مرقد میں انہیں نہ کفن میں ہوگا
وہ روضۂ سلطان زمن میں ہوگا

- 39 مضمون انیس کا نہ چہ با اترا
اترا بھی تو کچھ مجھ کے نقشہ اترا
- 40 سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیرا نہ رہا
- 41 بالوں پہ غار شیب ظاہر ہے اب
ہشیار انیس تو مسافر ہے اب
- 42 اک ہاں ہے انیس دست دو ہاں سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کفکول نہ کر
- 43 پھری سے بدن زار ہوا زاری کر
دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر
- 44 تقدیر نے چیزیاں یہ کاٹی ہیں انیس
کیوں رگ گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں
- 45 نوابی و شاهی نہیں درکار انیس
گر سد رمق ملے سکندر ہو جائیں
- 46 صحراے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
ذرا ایک طرف نور خدا ملتا ہے
- 47 اللہ ری ترے سخن کی تاثیر انیس
رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے
- 48 اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انیس
جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

- 49 لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیس
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے
- 50 آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیس
ہم اس کو نظر آئیں گے جو بیٹا ہے
- 51 گرتے جاتے نہیں یہ دندان انیس
تا حال زباں کو شوقِ دُر ریزی ہے
- 52 بیدار اگر ہوں بخت خوابیدہ انیس
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجیے
- 53 آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جو میں انیس
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری
- 54 اللہ رے زور ناتوانی کا انیس
آوازِ مرگِ دل ہے آوازِ میری
- 55 ماشاء اللہ چشمِ بد دور انیس
کیا مجمعِ مومنین ہے کیا مجلس ہے
- 56 یوں خاکِ شفا میں مر کے مل جاؤں انیس
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے
- 57 روتے ہو انیس کیا جوانی کے لیے
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی
- 58 دنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیس
مہمان اجل آئے تو مر جاتے ہیں

59 اے اے انیس پختہ کاری تیری
سب ہال تو پک گئے مگر خام ہے تو

انیس کی تعلیٰ اور تعارف

اگرچہ میر انیس نے اپنے تعارف میں اور اپنے فن کے کمال کی بابت کئی مرثیوں اور سلاموں کے اشعار میں تعلیٰ کی ہے لیکن چونکہ اس مضمون میں ہمارا موضوع رباعیات ہے اس لیے صرف رباعیات کے مصرعوں کے موقیٰ پٹن کر انیس کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے انہی کے فن پر نچھاور کرتے ہیں۔

میر انیس نے اپنی پہلی مجلس کے آغاز میں ہی جس تاج، تخت اور علم پر افتخار کیا تھا وہ ان کی آخری مجلس تک برقرار رہا۔

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا
ظنِ علم صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست، سر پر حضرت کا علم
اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

اللہ اللہ عز و جاہِ ذاکر
دربارِ حسینی میں ہے راہِ ذاکر
بچہ جو علم کا سر منبر ہے انیس
ہے . دستِ علمدارِ پناہِ ذاکر

مجلس میں ایسے مخالف گروہ دبیر چنے دونوں جمع رہتے تھے۔ دبیر نے میر صاحب کے اشعار خاموشی سے سننے سے روک دیتے لیکن منہ سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ مجلس کے اختتام پر میر صاحب کے اشعار پر کئی کوچوں وفاتر اور بازاروں میں گفت و شنید جاری رہتی۔ سب سے پہلے ہم پیش کرتے ہیں چند رباعیات جو ریاضتِ سخن اور کمالِ فن پر ہیں۔

مملو دُر معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ معافی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلتے
گویا کہ زباں کلیدِ سخنینہ ہے

کہتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں
مانند گلہ، بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں، مرغِ معافی بیج کر
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

مضمون گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انہیں
ہم اس کو نظر آئیں گے جو دینا ہے

میرا۔۔۔ کی تعلی بھی حقیقت ہے یہاں عجز ہے لیکن مبالغہ نہیں۔

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اک نعرۂ آفرین و تحسین ہو جائے
جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہو جائے

کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے جلالت سخن خود ظاہر
کشتی ہے کہیں شکر، ک شیریں ہوں میں

ایک اور رباعی کے آخری شعر میں کہتے ہیں:

لازم نہیں اپنے من سے تعریف انیس
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

مخالفان جو ہنر کو بھی عیب کی نظر سے دیکھتے تھے اور سکوت اختیار کیے
رہتے ان کا بھی ذکر بعض رباعیات میں دلچسپ طور پر ملتا ہے۔ ذیل کی رباعیات
میں ہندی اور میکینی کا احتجاج دیکھئے۔

بے جا نہیں مدح شبہ میں غزا میرا
بھرتی سے کلام ہے مزا میرا

مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا
 مرجاتے ہیں سن کے روز مڑا میرا
 کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
 کب تھمتے ہیں جو اٹک ہیں ڈھلنے والے
 اللہ ری ترے خن کی تاثیر انہیں
 رو دیتے ہیں مثل شمع، جلنے والے

نافہم سے کب وار خن لیتا ہوں
 دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہوں
 چھپتی نہیں بوے دوستان یک رنگ
 کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

ناقدری احباب سے حیراں ہوں میں
 آئینہ فردش طہیر کوراں ہوں میں
 ہے اک نظر لطف ہماری قیمت
 بیٹا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

انہی مجالس میں دبستان انہیں اور دبیر کے درمیان مضامین کی چوری کا
 ایک دوسرے پر الزام دینے کی رسم کا رواج عام تھا۔ دونوں طرف تھی آگ براہرنگی

ہوئی۔ میرا نیس فرماتے ہیں:

کب دُزد سے دولت ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دُزدان مضامین سے نجات
سچ ہے کہ گس سے کب شکر بچتی ہے

ایک اور رباعی کے دوسرے شعر میں کہتے ہیں:

منبر سے ہم اترے نئے مضمون پڑھ کر
اُن کے لیے گویا من د سلوا اُترا

بہر حال اس چٹھک اور ادبی معرکہ گیری نے دونوں حریفوں کو بلند
پایہ شعری تخلیقات پر مائل کر کے شاعری کے پلہ کو گراں کر دیا۔ کبھی انیس کہتے
ہیں:

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انہار
خبر کرد مرے دشمن کے نکتہ چینوں کو

کبھی دیر کہتے ہیں:

دُزدان مضامین پہ نہ کر منع کی تاکید
تو مجتہد نظم ہے فرض ان پہ ہے تقلید

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں عظیم شاعر بربان انیس یہ کہہ سکتے ہیں:

سبک ہو رہا تھا ترازوئے شعر
مگر پلہ ہم نے گراں کر دیا

رباعیوں پر اعتراضات:

خدائے سخن میرا نہیں کے کلام پر جب بنگال کے رئیس نساخ نے غلطیوں کا طومار شائع کیا تو برصغیر کے ہر گوشے سے تفر و لعن کی گئی کیونکہ اغلب مرثی، سلام اور رباعیات کے غلط مصرعوں کو لکھ کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی کہ انہیں جیسے قادر الکلام شاعر کے پاس ان گنت اغلاط ہیں اور مضمون صحیح نظم نہیں کیا گیا۔ بہر حال ہماری اس تحریر میں اس بات کی منجائش نہیں کہ ہم تفصیل سے نساخ کے طومار کو نسخ کر سکیں لیکن یہاں رباعیوں کی نسبت سے ”ننگو کو بغیر کسی تمہید اور تفسیر کے ساتھ اعتراض اور اس کا جواب پیش کرتے ہیں۔ نساخ رباعی لکھ کر اعتراض پیش کرتے ہیں۔

”مگر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے
اس گلزار جہاں سے مثل ہو نکلیں گے
اس چاہ میں گرتے تو ہیں بصورت دلو
پر جب نکلے یہ آہو نکلیں گے

اس رباعی کا تیسرا مصرع ناموزوں ہے۔ شاید بزرگ طبع موزوں اوزان رباعی میں کوئی نیا وزن نکال کے لکھ دیا ہے۔ ”راقم کی تحقیق کے مطابق تقریباً

ذیادہ سو سال قتل کے قلمی اور سو سو سال پرانے مطبوعہ نمونوں میں یہ رباعی صحیح
اوزان رباعی میں اس طرح ہے:

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے
اس باغ جہاں سے مثل بو نکلیں گے
جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو
پر جب نکلے یہ آہد نکلیں گے

نسخ ایک اور رباعی کے مصرع غلط لکھ کر کہتے ہیں اس رباعی کا دوسرا مصرع
ناموزوں ہے:

کہتی تھی سکیۂ قتل بابا دیکھا
بھیا علی نصغر کا خوں میں لاشا دیکھا
زنداں میں پھنسی اور طمانچے کھائے
اس تین برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

یہ رباعی بھی میرافیس کے کسی مطبوعہ کلام میں نہیں۔ صحیح رباعی یہ ہے:

کہتی تھی سکیۂ، گھر کا جانا دیکھا
ماں بہنوں کا بلوے میں نکلتا دیکھا
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے
اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

جن لوگوں نے میرا انیس کو پڑھا ہے وہ مصرعوں کے رنگ اور لفظوں کے
 ڈھنگ سے پہچان لیتے ہیں کہ جو رباعی نما چار مصرعہ نسخہ نے میرا انیس کے نام
 سے لکھ کر غلط بیانی کا الزام اپنے سر لیا وہ اس انیس کھنوی کے نہیں جس کے فرمان
 کو دنیا مانتی ہے۔ جب وہ کہتا ہے:

نکبِ خوانِ تنگم ہے فصاحت میری
 ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری

اس کی طرح کاوشیں فحش نعوانی نے بھی دیر کے حق میں کیں جس کو سخن
 فہم، سخن شناس اور سخن واں حضرات کبھی بخلا نہیں سکتے۔ یہ غلط نمونہ برداری، غلط
 انتساب اور غلط نتیجہ گیری جس کا مقصد کسی تخلیق کار کی عمر بھر کی کمائی کو لٹا اور اس
 کی شخصیت اور فن کی ملکیت کا برباد کرنا نہیں؟ کیا یہی اوہی دہشت گردی نہیں؟ ہم
 میں کم از کم اتنی قبیح عادلانہ ہمت ہونی چاہیے کہ ہم مصلحتاً مظلوم اور حقدار کی حق بیانی
 نہ کر سکیں تو عالم کی بھی طرف داری نہ کریں۔ انیس نے کہا تھا:

ع: سب کچھ ہے اس دنیا میں پر انصاف نہیں ہے

میر انیس مشاہیر شعر و ادب کی نظر میں

ہم یہاں اردو شعر و ادب کے عظیم مشاہیر کے بیانات جو میر انیس کی قدروانی میں ہیں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں:

مرزا غالب: اردو زبان نے انیس اور دیر سے بہتر مرثیہ گو نہیں پیدا کیے۔ ایسے مرثیہ گو ہوئے ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ انیس کا مرثیہ نہایت بلند ہے (یادگار غالب۔ واقعات انیس) میر انیس کے مقابلہ میں دوسرے کا مرثیہ کہنا میر انیس نہیں بلکہ خود مرثیہ کا منہ چڑھانا ہے آج وی اور نکھنؤ میں میر انیس کی مرثیہ گوئی کو حجز کلام مانا جاتا ہے۔

(حیات انیس۔ امجد اشہری)

شیخ ناسخ: ایک دن ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔

خواجہ آتش: کون بےوقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ باللہ تم شاعر مگر ہو اور

شاعری کا مقدس تاج تمہارے سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔
بھی اس میدان میں تمہارا سامنا ایک نہیں کر سکتا۔ انہیں کے مرثیہ
پر پیکھوں فرملوں کے دیہان صدقے کئے جاسکتے ہیں۔

مرزا دیر:

تازہ مضمون نظم می فرمود وہ ہر بحر شعر
چشمِ چشم شود ہم چشم کوثر بے انہیں
آسمان بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انہیں
دیر میر انہیں کی میت پر جا کر روئے اور فرمایا ایسے مجزیاں، فصیح اللسان اور
قدردان کے اٹھ جانے سے اب کچھ زندگی میں لطف نہ رہا۔

محمد حسین آزاد: جس طرح انہیں کا کلام لا جواب تھا اسی طرح ان کا پڑھنا
بے مثال تھا۔ ان کے گمرانے کی زبان اُردو معنی کے لحاظ سے تمام
لکھنؤ میں سند تھی۔ ان کے ذریعہ ہماری نظم کو عظمت اور زبان کو
وسعت حاصل ہوئی۔

مفتی میر عباس لکھنوی:

بود از قلم اش مایہ دکانِ حلاوت می زد قلمش موج پہ دریائے سلاست

می رینت زکککش شکر و شیر نصاحت بدخوان خنن بود ازو شور ملاحص
تا رفت ہمہ نمصب ایوان خنن رفت از رطب اوقدرت وامکان خنن رفت

الطاف حسین حالی: الفاظ کو خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کرنے کو اگر معیار کمال قرار دیا جائے تو بھی میرا انیس کو اردو شعرا میں سب سے بہتر ماننا پڑے گا۔ میرا انیس کے ہر نقطہ اور ہر محاورہ کے آگے اہل زبان کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ اگر انیس چوتھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتے اور اسی سوسائٹی میں پروان چڑھتے جس میں فردوسی پلا بڑھا تھا وہ ہرگز فردوسی سے پیچھے نہ رہتے۔ رہا ہی

اردو گو راج چار سو تیرا ہے شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا خنن ہے باقی تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اُس کی بہار دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیس

شیخ عبدالقادر: اڈیشنر مخزن لاہور، ہایت دسمبر ۱۹۰۶ء

"میرا انیس مرحوم اس جہاں سے اٹھ گئے۔ مکران کا نام زندہ ہے جب تک اردو علم و ادب اور اردو دنیا میں بولی اور سمجھی جائے گی۔ مرثیہ کو ہندوستان

میں میرا انیس مرحوم اور ان کے معاصرین کے زمانے میں وہ عروج حاصل ہوا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔“

”انیس کی شاعری میں علاوہ صداقت و اثر کے شاعری کے دیگر لوازمات تمام و کمال پائے جاتے ہیں۔ تفسیر و استعارہ کے وہ بادشاہ ہیں اور کبھی تفسیر کے معاملے میں اپنے حلقے کے دیگر شعراء کی تقلید میں صحت مذاق کا خون نہیں کرتے۔ بلکہ غیر معمولی نازک خیالی و حسن بیان کا ثبوت دیتے ہیں۔ کسی خوبصورت نوجوان کے رخ پر سبزہ آغاز ہوتے دیکھ کر اس سے بہتر کیا تفسیر سوچ سکتی ہے کہ:

ع: دیکھوئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

یا اس سے بہتر کیا مطلع، فطرت کا ثبوت ہوگا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کے چوں کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی جائے:

ع: پتے برنگ چہرہ مدقوق زرد تھے

غرض کہ اس قسم کی نازک خیالی کی مثالیں انیس کے کلام میں سیکڑوں کیا ہزاروں دی جاسکتی ہیں۔ نازک خیالی ان کا خاص جوہر تھا۔“

نوہت رائے نظر: لکھنؤ میں سبزی منڈی کی پشت پر ایک سنان مقام پر ایک مختصر سی عمارت نظر آتی ہے جس میں وہ شخص آرام کر رہا ہے جو ہائیک اور ہومر، چیسپر اور فردوسی ایسے یگانہ فاق شاعروں کا ہم پلہ تھا اور جس نے اردو شاعری کو حد کمال تک پہنچانے میں بد بیضا دکھایا

ہے۔ ہمارے نامور شعرا میں میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، شیخ امام بخش تاتخ، خواجہ آتش اور مرزا غالب اپنے اپنے رنگ کے موجد اور فردِ کامل تھے۔ لیکن ان سب کی ملائے فن کی خوبیاں جس ذاتِ واحد میں جمع ہوئی تھیں وہ ”خدائے سخن“ انیس تھے جنہوں نے مرثیہ کی ایک صنف میں تمام اصنافِ سخن کا جوہر سمیٹ لیا تھا۔“
(مضمون۔ میر انیس منظور۔ مطبوعہ زمانہ کانپور، ماہیت فردری ۱۹۰۸ء)

حزراج دہلوی: ”کبھی کسی زمانے میں لوگ بڑے شاعر کو مرثیہ گو کہا کرتے تھے۔ مگر میر انیس سے موجد کی اختراعات و ایجادوں نے بڑے بڑے شاعروں اور ملک الشعراء کے دم بند کر دیے اور فنِ مرثیہ گوئی کو اہم و دشوار اور سنگلاخ سے سودا سخت کر دیا۔ یہی باعث تھا کہ ہم عصر شعرائے ہندوستان نے متفق الزبان ہو کر کہہ دیا کہ بس حضورِ حقیقی اور تحقیقی شاعر آپ ہیں۔ جیسا کہ فنِ مرثیہ گوئی کے بارے میں خود میر انیس صاحب کا کلام ہے۔“

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر

مگر ہم نے پتہ گراں کر دیا

لیکن اللہ رے اکھاری۔ جب کوئی سخن فہم آپ کی تعریف کرتا تو آپ کسی محبوب بشر سے فرماتے کہ بھائی شاعر کون ہے؟ میں تو دکڑے (مصیبت) کا کہنے والا ہوں۔ وہ بھی خدا جانے جس طرح چاہیے ہوتا

ہے یا نہیں۔“

(تذکرہ میر انیس مرحوم، صفحہ ۲-۳ از مزاج دہلوی ۱۹۰۷ء)

فکلی نعمانی: میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اس کے انہوں نے اردو شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑوں مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے ہر قسم ہر درجہ کے الفاظ ان کو استعمال کرنے پڑے۔ تاہم ان کے کلام میں غیر فصیح الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کے کلام میں انسانی جذبات یا احساسات ایسے ہیں جہاں آکر انیس کا اسلی جوہر کھلتا ہے اور ہمیں ان کی شاعری کی حد ان کے ہم عصروں سے جدا ہوتی ہے۔ میر انیس کا کلام شاعری کی تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے۔ ان کے کلام میں شاعری کی جس قدر اصناف پائی جاتی ہیں اور کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتیں۔

اکبر الہ آبادی: انیس کے کلام پر غور کرنا ذوق خمی، نکتہ نگاری اور زبان شناسی کا فائدہ دیتا ہے۔

شاد عظیم آبادی: ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط و احتیاط سے لے آئے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر

عقل گنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوبصورتی اور بے تکلفی سے جن کر پہ سلیقہ و ترتیب جمع کر لیے تھے کہ اب جو چاہے اپنا دامن فکر بے کھٹکے بھر لے۔ فیاض مطلق کے دریائے فصاحت میں سے ایک ایک ڈر بے بہا نکلا جس کی زرق و برق سے ہمالیہ کی اونچی چوٹیوں سے لے کر بے آف بنگال تک دفعتاً جگمگا اٹھا۔ وہ کون۔ میر انیس، بعض بعض سچے شعر میر تقی میر کے اور اس کے بعد حقیقت کا انشائے راز کرنے والے اکثر فطرتی اشعار انیس کے اگر پڑھے جائیں تو اردو کا بیٹا کار اور انگریزی سے واقف کار شاید ٹیکسیڈ سے پیچھے ان دونوں بزرگوں کو نہیں رہنے دے گا۔

امجد اشہری: مناظر قدرت اور جذبات فطرت کی تصویر کھینچنے کا کمال اردو شاعر وہ ہیں میر انیس کا حصہ سمجھا جائے۔ میر انیس کی شاعری میں ایک بڑا کمال یہ ہے کہ جس موقع پر جو الفاظ خاص اثر دے سکتے ہیں وہی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میں نے میر انیس کو کھنؤ میں مرثیہ پڑھتے دیکھا ان کے اعجاز وضاحت کے اظہار میں میری زبان قاصر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو وہ کچھ کہ سکے اور زبان جو کچھ کہہ سکتی ہے۔ وہ اس کی ان دیکھی بات ہے۔

احسن لکھنوی: خدائے سخن میر تقی میر کے چھ دیوانوں سے (۷۲) نثر ارباب بصیرت نے انتخاب کیے ہیں اور میر انیس کے ترکش میں کتنے حیر ہیں یہ آج تک کوئی شمار نہ کر سکا۔

جلد علی خاں پیر سٹر لکھنوی: میر انیس کی نسبت خدائے سخن سے کم درجے کے الفاظ بولنا سوئے ادب ہے۔

امداد امام اثر: شعرائے نامی یعنی ہومر ورجل اور فردوسی میں ابوالشعرا ہومر ہی ہے جس کے ساتھ میر صاحب کا موازنہ صورت رکھتا ہے۔ ورنہ درجل جو ہومر کا تتبع ہے میر صاحب کا ہرگز ہم پایہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ ان کی ہم پائیگی کا استحقاق فردوسی کو حاصل ہے۔ میر صاحب کو فردوسی ہند کہنا میر صاحب کی ایک بڑی ناقدر شناسی ہے۔ راقم کی دانست میں میر صاحب کی کریکٹر نگاری ہومر کی کریکٹر نگاری سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ بلاشبہ و شک میر صاحب وہ الہامی شاعر ہیں کہ تائیدِ نبی کے بغیر میر صاحب کا کمال کوئی بنی آدم پیدا نہیں کر سکتا۔ میر انیس کا موبد من اللہ ہونا ایک امر یقینی ہے۔

ڈپٹی نظیر احمد: آپ دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے ایک اُردو شاعر انیس کو کیسی قدرت عطا فرمائی اور اس کے قلب پاک کو کیا نور بخشا ہے کہ وہ خاصانِ خدا کے

ارواح پاک کی باتوں کو اس پاک و صاف طریقے سے نظم کرتا ہے کہ معطوم ہوتا ہے کہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہی ارواح پاک بول رہی ہیں اور یہ بات بغیر الہام کے غیر ممکن ہے۔ اس لیے میری رائے میں اور شعراء دنیا میں آکر اپنے کب علوم سے نامور ہوتے گئے۔ لیکن میر انہیس وہیں سے شاعر بنا کر بھیجے گئے تھے اور مدارج اعلیٰ پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر گراہم بیل:

"Anis employed an enormous number of words but preferred a simple, easy and flowing style. His family is famous for the use of pure and idiomatic Urdu. He had a wonderful power of description. This is seen best when he depicts human feelings, especially pathos and bravery or scenes of nature and fighting. He writes as if he had been present himself on the occasion which he describes and as if the people had spoken the very words which he has put down"

(History of Urdu Literature (P.60) by Dr. Graham Baily)

نظم طباطبائی: میر انہیس کے مرثیٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے طباطبائی نے مرثیٰ کی

اہمیت اور خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے: "اس محفل میں یگانہ و یگانہ، آشنا و نا آشنا، زہاں و اہاں و بے زہاں سب اس کے مشتاق ہیں۔ کان اس آواز کو ڈھونڈتے ہیں جو دل دکھاوے۔ آنکھ اُس رنگ کو پسند کرتی ہے جو کوئی سماں دکھاوے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوت بیان عطا کی ہے لیکن ہر بیان میں سحر اور ہر زبان میں اعجاز نہیں ہوتا۔ ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے بُن نہیں برستا۔ رونا ہنسا کس کو نہیں آتا۔ مگر کسی کے رونے میں موتی بکھرتے ہیں، ہنسنے میں پھول جھرتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چو رنگ لگانے کی کباہ کھینچنے کی مدتوں مشق کی ہوگی، مگر ایک شخص ہے کہ اس کا دار خالی ہی نہیں جاتا۔ نشانہ کسی خطا نہیں ہوتا۔ جو زبان سے نکلتا ہے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔" اس کے بعد نظم طلباء نے انیس کا یہ مصرع پیش کیا۔

ع: جان آگنی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

پھر لکھتے ہیں: "دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان سے نکلی ہے اور کتنے معنی اس مصرعے میں بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا۔ دونوں شہید ہونے کی آرزو میں آئے تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھا کہ شہید ہو گیا کہ

یگانہ یک:

جب شیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ اُدھر آیا
جاں آگنی بھائی کو جو بھائی نظر آیا
یہاں بھائیوں کے قلب کی کس حالت کو شاعر نے دکھایا اور کتنے
بڑے مضمون کو چار لفظوں میں سمجھایا ہے۔ کیا اس کے سحر حلال ہونے
میں کچھ کلام ہے۔“
(مرثیہ کا مطلع ہے۔ ”ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں“ تفتی)

مولانا عبدالحی عسوی: ”انیس نے بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب اردو
شاعری میں بکثرت پیدا کر دیے۔ ایک واقعہ کو سوسو طرح سے بیان
کر کے قوتِ تخیل کی جولانیوں کے لیے ایک نیا میدان صاف کر دیا
اور زبان کا ایک متعدد حصہ جس کو اب تک شاعروں کے قلم نے مس
نہیں کیا تھا اور جو محض اہل زبان کے بول چال میں محدود تھا اس کو
شعرا و سہ رو شاس کر دیا۔“

پنڈت سندر نارائن مشرا: ایک بزرگ شخص نے حضرت انیس کے مرثیہ
پڑھنے کا حال بیان کیا کہ پہلے وہ جس وقت منبر پر جاتے تھے تو مجلس
میں خاموشی اور سناٹا ہو جاتا تھا۔ کوئی بات کسی سے نہ کرتا تھا۔ پہلے وہ
آستین چڑھاتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے دل ہلنے لگتے تھے۔ پھر
جب وہ مرثیے کا بہتہ ہاتھ میں لیے تھے تو رقیق القلب سامعین کو

رقت شروع ہونے لگتی تھی۔ صرف چشم و امد کے اشارے سے جذبات کو ادا کرتے تھے۔ انہیں کی فطرت شناسی، واقعہ نگاری، منظر کشی، انہیں کی رفعت تخیل غرض انہیں کی شاعری کا ہر ہر پہلو ادبی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتا ہے۔

(خطبات مشران، صفحہ ۳۶، بزم اول مرتبہ تحیم امروہوی مطبوعہ سرفراز قوی پریس لکسنو ۱۹۴۳ء)

براج نرائن چکھیست: زبان اور شاعری کی آئندہ اصلاح کے لیے میر انیس کے اندازِ سخن اور رنگِ بیان کا صحیح اندازہ کرنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ جس غیر صحیح مذاقِ سخن کی بنیاد پر ہم قدیم رنگِ سخن کی قدر نہ کر سکے اس کی بدولت ہم زبان و شاعری میں نئے جوہر نہیں پیدا کر سکتے۔ رام چندر جی پرطویل مثنوی میں چکھیست اقرار کرتے ہیں کہ ”انہیں سے انہیں وہ ادبی اور شعری تربیت اور ہدایات ملی تھیں جن کے بغیر وہ اپنے ایک ایک میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔“

ذکاء اللہ: شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ سابق پرنسپل عربی کالج الہ آباد لکھتے ہیں کہ میر انیس کی وضاحتِ بیان اور ان کے طرزِ بیان کی دل فریب آواہوں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس

سے پہلے کبھی ایسا خوش بیان نہیں سنا اور نہ کسی کے ادائے بیان سے یہ
ما فوق العادت اثر پیدا ہوتے مشاہدہ کیا۔

امیر احمد علوی: ایک دن وہ تھا کہ میر صاحب نے فرمایا تھا ۔

گر قدر داں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب

جلدی مدد کریں گے شبِ آسماں جناب

اور ایک وقت وہ آیا کہ انہیں کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قدر
شاس موتیوں اور جواہرات کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا کلام تھوڑے
کے طور پر دوسرے شہروں کو بھیجا جاتا تھا۔

عبدالحلیم شرر: میر انہیں میں ساری تکلف اور جذبات انسانی پر حکومت کرنے والی
زبان کی وہ خوبیاں تھیں جو سوائے مہدائے فیاض کی عنایت کے سیکھنے سے
نہیں آسکتیں۔ انہوں نے فنِ مرثیہ گوئی کو شاعری کی اور تمام اصناف سے
بڑھا دیا اور اردو ادب میں وہ نئی چیزیں پیدا کر دیں جن کو انگریزی تعلیم
کے اثر سے طبعیتیں ڈھونڈنے لگی تھیں۔

سرچنگ بہادر سپرو: انہیں ایک فطری اور پیدائشی شاعر تھے۔ شاعری ان کی کھٹی
میں پڑی ہے۔ پاکیزہ اور نکمری ہوئی اردو کے ماہر کی حیثیت سے ان
کا کوئی ہسر نہیں۔ جدید ترکیبیں وضع کرنے کے نازک فن میں آج

تک کوئی ان سے آگے نہ جاسکا۔ ان کی تشبیہیں اور استعارے فطرت، حیات انسانی اور جذبات کی نامعلوم گہرائیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں بلا کی آمد ہے۔ ان کی زبان اس قدر پُر شکوہ ہے اور ان کی شاعری فنی حیثیت سے اس قدر مکمل ہے کہ ناقد کو ان کے باب میں مجالِ سخن نہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے مصنف نے ہمارے لئے انہیں سے زیادہ گراں قدر خزانہ نہیں چھوڑا۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ زبانِ اردو میں انسانی دماغ کے عمیق ترین خیالات و جذبات کے اظہار کا ذریعہ بننے کی کس قدر اہلیت ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اردو میں کتنی استعداد اور صلاحیتیں موجود ہیں۔

مختور اکبر آبادی: ”یونانی میں جو درجہ ہوتر یا فارسی ادب میں جو مقام فردوسی کا ہے وہی اردو میں انہیں کا ہے۔ انہیں سے پہلے مرثیہ صرف مذہبی و اعتقادی صنفِ نظم سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی نمایاں ادبی اہمیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ یہ فخر انہیں کا حصہ ہے کہ اردو زبان میں ایسے نئے اور پُر مغز باب کا ایسی قدرت اور حسنِ کمال سے اضافہ کیا۔ مرثیے میں پیکری حیثیت سے جو قوت و اثر لطافت و تازگی، سلاست و روانی انہیں نے پیدا کر دی وہ اب تک محققوں

سے ممکن نہ ہوئی تھیں۔..... بہر عنوان مناظر کی نقاشی، میدان جنگ کی مصوری اور محبت کے علاوہ جرأت، ایثار، شرافت، انصاف، حق پسندی، حق گوئی جیسے بلند انسانی جذبوں کی مرقع کشی کے باب میں انہیں کے مرثیے ایلید، ایلیڈ، رامائن، مہابھارت اور شاہنامہ جیسی مقتدر اور معصم بالشان لفظوں کے شاہکار ہیں جن سے اردو شاعری کا اخلاقی و تمدنی درجہ بہ مراتب بلند اور بہ منازل اہم ہو جاتا ہے۔“ (صحیفہ تاریخ اردو، از سید محمد خورشید رضوی اکبر آبادی، صفحہ ۲۲۷-۲۲۹ سال اشاعت ۱۹۳۶ء)

جوش ملیح آبادی:

تیری ہر سوچ نفس روح الامیں کی جان ہے تو مری اردو زبان کا بولتا قرآن ہے
بزم کے میدان میں تو چلتی ہوئی تلواریں ہیں بزم کی محراب در میں کلک گوہر بار ہے
اے امام کشور جادو بیانی السلام اے کلیم طور الفاظ و معانی السلام

پروفیسر مسعود حسن ادیب: انہیں نے فن کو اس معراج پر پہنچا دیا کہ نقاد کو ان کے باب میں حمال سخن نہیں۔ شاعری کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اس سے پیشے جو کما حقہ قرار دیے گئے ہیں اس کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان سب کے اعتبار سے انہیں کے مرثیوں کا شمار اعلیٰ درجے کی شاعری میں ہوگا۔ ایسی جامع صنف سخن ایسی مرثیے کے سوا اور کون ہے۔

جعفر علی خاں اثر: کیا بے جا ہے اگر ہم انیس کو زبان اردو کا محسن اور اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی زبان کا ہم پلہ بنادینے والا مانتے ہیں کہ ہم میں انیس سا شاعر پیدا ہوا۔

ابوالکلام آزاد: دنیائے ادب کو اردو ادب کی جانب سے میر انیس کے مرثیے اور مرزا غالب کی غزلیں تحفہ تصور کی جائیں۔ ادبیات اردو اور زبان اردو کو قصر گمناہی سے نکال کر مرثیہ انیس نے بین الاقوامی ادبی سطح پر پہنچا دیا۔

پروفیسر احتشام حسین: میر انیس نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک ایسی بلندی تک پہنچا دیا جس کا اب تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میر انیس کی شاعری کے وہ پہلو جس میں دنیا کے بہت کم شاعر ان کے مد مقابل قرار دیئے جاسکتے ہیں وہ ان کی انسانی نفسیات سے، اقلیت اور اسی کی مصوری ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی: اردو زبان میں واقعہ نگاری کی بنیاد صرف مرثیہ گوئیوں نے ڈالی ہے اور میر انیس نے اس کو معراج کمال تک پہنچایا جس کی مثال اردو کیا فارسی میں بھی مشکل سے مل سکتی ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: انہیں کو زبان پر وہ قدرت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر۔ جن الفاظ سے جس موقع پر جو کام لینا چاہتے ہیں وہ خادمانہ اطاعت کے ساتھ حکم بجالاتے ہیں۔

پروفیسر کلیم الدین احمد: انہیں روزمرہ کا استعجابی نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ ایسا مظلوم ہوتا ہے کہ کوئی باتیں کر رہا ہے۔ زبان میں روانی اور برش ذوالفقار کی سی تھی۔ اثر میں تیر و نشتر سے کم نہیں۔ اگر انہیں سے پہلے اور بعد کی شاعری پر نظر غور سے دیکھا جائے تو اس بات کا صحیح اندازہ ہوگا کہ انھوں نے اردو شاعری کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ انھوں نے مرثیے کو اردو نظم میں بلند ترین مقام دیا اور یہی وہ صنف شاعری ہے جس نے ہماری زبان کو شائستہ زبان کا ہم پلہ بنا دیا۔ اگر اسطو کا یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ شاعری دراصل مصوری ہے تاہم یہ بلا جامل کہہ سکتے ہیں کہ میر انہیں کو دنیا کے شعرا میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری: میر انہیں اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں ایک کی جملہ خوبیاں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ انہیں کی رزم نگاری سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ شاعر تھے۔ مورخ نہیں۔ انہیں کی خدا داد صلاحیت کی بلندی اس سے ظاہر ہوتی

ہے کہ انھوں نے ہر مرثیہ کے واسطے اُسے ہی واقعات منتخب کیے جو ایک نظر میں سہا سکتے ہوں اور پورے کے پورے ایک ہی نشست میں سنے جاسکتے ہوں۔

شاعر اہل بیت عجم آندی:

جو اہل دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقامِ انیس
ہے فنِ مرثیہ گوئی میں اہتمامِ انیس
حیثیت کی جو خدمت انیس نے کی ہے
رہے گا تا بہ قیامت بلند نامِ انیس

پروفیسر ایس جی عباس، کراچی

"Anis had the power of expressing one and the same thing in manifold ways. He was well versed in the art of expanding and compressing a passage, He had such a rich and inexhaustible stock of words which no other poet of Urdu, nor Probably any poet in any other language except John Milton, appears to have possessed. He was an accomplished master of synonyms which found a prominent place in his poetry,

Similarly, he described an event either fully or partly and in a variety of ways but his description was highly natural and life-like. At the same time it never tended to be heavy, monotonous and uninteresting. Similarly, the effect of his poetry was never lost even for a moment" (The Immortal Poetry and Mir Anis p164 by Prof. S.G.Abbas-Karachi, 1983)

صالحہ عابد حسین: میر انیس نے صرف مرثیہ ہی کو معراج کمال پر نہیں پہنچایا بلکہ اردو کے خزانے کو بھی مالا مال کیا ہے۔ ان کے ضخیم کلام میں ایسے ایسے کمالات زبان اور بیان کے ایسے ایسے معجزے ملتے ہیں جن کو سمجھنے اور پوری قدر کرنے کے لیے ابھی اور بہت وقت درکار ہوگا۔ اُن کے کلام کو جتنا پڑھتے جائیے اس پر جتنا غور و خوض کرتے جائیے بس ذہن خود اُن ہی کا یہ شعر دہراتا رہتا ہے۔

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عربی سخن کو سنوارا نہیں

پروفیسر کوئی چند نارنگ: انیس نے دراصل وہ کیا جو کسی بھی قوم یا کسی بھی ملک یا کسی بھی عہد میں کوئی بڑا شاعر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عقیدے

کی اصلیت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی زندگی اور اپنے سماج کی سچائی کی
 نبض بھی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کاری اور تخلیق کی اس موافقت سے
 انیس کے کلام میں وہ حذت تاثر پیدا ہوئی ہے جس پر اردو ناز کرتی
 ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی انیس کے پورے کلام میں چاندنی کی
 طرح پھیلی ہوئی ہے اور اس کی بدولت بھی وہ ہمارے دلوں سے اس قدر
 قریب ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن: میرا انیس کی فنی کرشمہ سازی کا ایک حیرت آفرین کمال یہ ہے کہ
 وہ اپنے مرثیوں کی بیت میں بڑی مہارت کے ساتھ رباعی کے چوتھے
 مصرعے کا سارا زور حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ نازک ہنران
 کی فن کاری کی عظمت کا واضح ثبوت ہے۔

رام بابو سکسینہ: بہ حیثیت شاعر کے انیس کی جگہ صوبہ اولین میں ہے اور بعض
 لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو اردو کے تمام شعرا سے بہترین اور کامل
 ترین سمجھتے ہیں اور ان کو ہندوستان کا شکسپیئر اور خدائے سخن اور نظم اردو
 کا ہومر، اور درجہ اول اور ہالمیک خیال کرتے ہیں۔ انیس صاحب
 محاورہ کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اردو میں سیکڑوں نئے محاورے ان
 کے دم سے آئے اور سیکڑوں پرانے محاوروں کا بھی استعمال انہوں نے
 سکھایا۔

سفارش حسین رضوی: انہیں کا کلام زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد ہے وہ رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ میرا انہیں یعنی میر حسن کے فن اور میر خلیق کی زبان کے احتجاج سے تیار کیا ہوا مرکب جس میں شاعر کے ذہن کی آب اور طبیعت کی تاب ہے۔“

حسین امر دھوی:

انہیں چہرہ نوہیں نگاہ شعر و سخن کمال فکر کا اک معجزہ انہیں کا فن
وماغ شعر ہے طبع انہیں سے روشن کہ صدق و حق ہے تخیل میں اس کے جلوہ
نفس

سخن میں جذبہ و احساس کو رواج دیا
ہر ایک نفس کو بالکل نیا مزاج دیا

سردار جعفری: میں انہیں کا شمار اردو کے چار عظیم شعرا میں کرتا ہوں۔ باقی تین میر، غالب اور اقبال ہیں۔ مرثیے سے نظم نگاری تک ہر سفر میں انہیں کی شاعری نے میری بہت رہنمائی کی ہے۔ انہیں کے اثرات جوش کے یہاں بہت واضح ہیں اور اقبال کے یہاں بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی نظم کی زبان کو انہیں انیسویں صدی میں مستند بنا چکے تھے۔ (مضمون انہیں کی معجزہ بانی)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری: یوں تو انہیں کا شمار اردو کے ممتاز ترین شاعروں میں ہوتا ہے لیکن کسی قدر تعجب کی بات ہے کہ ان کی زندگی اور فن پر کوئی جامع کتاب مرتب نہ ہو سکی۔ یہ انہیں جیسے صاحب کمال شاعر پر بہت بڑا ظلم ہے۔ میر انہیں سے ہماری بے اعتنائی کا یہ اثر ہوا ہے کہ وہ مجالس عز اور عشرہ محرم کے شاعر بن کر رہ گئے۔ ان کی وہ شاعرانہ بڑائی جس کے سبب ان کا نام دنیا کے بلند پایہ رزم نگاروں اور اردو کے ممتاز ترین شاعروں کے نام کے ساتھ کیا جاتا ہے نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔

مولانا کوثر نیازی: انہیں کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کے زوال آٹھ اسلامی معاشرے میں ان قدروں کو مرثیہ کی شکل میں محفوظ کر دیا ہے جو مذہب اسلام کی تہذیب و ثقافت کا اصل مظہر ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا ادبی اور ثقافتی کارنامہ ہے۔ ہماری نوجوان نسل اگر ان اخلاقی قدروں کو پورے شعور اور اعتماد کے ساتھ اپنا لے تو ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انہیں کی تراوش فکر نے جو مضامین نو کے انبار لگائے ہیں ان سے خوش چینی کے بغیر نہ اردو زبان آسکتی ہے اور نہ اردو ادب کا مطالعہ مکمل ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر ناظر حسین زیدی: اب تک انہیں کو محض مذہبی شاعر سمجھا گیا ہے اور اس

کے کلام پر صرف ایک فرقہ کی اجارہ داری تسلیم کی گئی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اسے مذہبی شاعر سمجھنے کے بجائے آفاقی شاعر کی حیثیت سے دیکھا جائے اور شاعری کے مسلمہ عالم گیر معیاروں پر اس کا کلام جانچ کر اہل زمانہ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ادب کے مبصر اس کا صحیح درجہ پہچان لیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد: اگر انیس نہ ہوتے تو مٹی شاعری کے لیے آزاد، حالی، چکیت اور رنگینی کو بڑے ہمت شکن تجربے کرنے پڑتے اور شاید کامیابی نہ ہوتی۔

لالہ سری رام: میرا انیس مرحوم صرف مرثیہ گو یوں ہی کے سرتاج نہ تھے بلکہ زبان اردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست، فن سخن کے مسلم الثبوت اور قادر الکلام استاد تھے۔

پروفیسر محی الدین قادری زور: دنیا کی عظیم الشان نظمیں جن کی زبان اور خیالات نے اپنے اپنے ملک و قوم کی ذہنیت اور اخلاق و عادات کی اصلاح کی حسب ذیل ہیں۔ ایلڈ، مہابھارت، رمان، پراڈائزلاست، شکسپیئر کے ڈرامے اور شاہنامہ۔ گوان تمام کے مصنفین زمرہ جاوید فلسفی ممتاز شاعر اور بلند خیال معلم اخلاق ہیں۔

ان کے دماغوں کی ساخت میں یکسانیت نمایاں ہے اور ان کے خیالات میں اس درجہ وسعت نظر آتی ہے کہ ان کا کلام انسانی طاقت سے باہر نظر آتا ہے لیکن ان سب شہکاروں پر ظاہری و معنوی دونوں حیثیتوں سے مراٹھی انہیں کو فوقیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر مسیح الزماں: انہیں کا شمار اردو کے اُن عظیم شعرا میں ہے جن کے احسان سے اردو شاعری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

شاربِ رد و لوی: یہ میر انہیں کی کردار نگاری کا عظیم کارنامہ ہے کہ وہ بنے بنائے اور تاریخی کرداروں کو زندہ اور متحرک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ میر انہیں کردار کو زندگی کے تقاضوں سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کی مثالی یا تاریخی ہونے کا شبہ تک نہیں ہوتا اور سامع اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اس کے قریب کا کوئی آدمی ہے یہ اُن کے فن کا معجزہ ہے۔

امیر امام بخش: انہیں کو اپنی ثقافتی تاریخ میں جو واقعہ غیرت دلانے اور ہمت بڑھانے کے لئے نظر آیا تو وہ کر بلا کا عظیم الشان اور جلیل القدر معرکہ تھا۔ اس میں انہیں کو اخلاقیات، نفسیات، خود داری، شجاعت اور صبر و حریت کے جوہر نظر آئے جنہیں اس باکمال شاعر نے سلکِ نظم میں پرو کر اردو ادب میں ایک نیا فانی اور نگراں ماہیہ اضافہ کر دیا۔

شہید صفی پوری: اصول تنقید میں یہ امر مسلمہ حیثیت رکھتا ہے کہ کسی شاعر کے کلام کو سمجھنے کے لیے نقاد کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ زندگی کو اپنے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ شاعری کے زاویہ نگاہ سے دیکھے۔ مذہب اور شاعری کا ایک ایسا احتزاج جب مذہب، مذہب نہ رہے شاعری بن جائے اور شاعری شاعری نہ رہے مذہب بن جائے ایک معجزہ ہے اور ایسے معجزے روزانہ ظہور میں نہیں آیا کرتے۔ قدما کا ایسا سب سے پہلا شاعر ہوتر تھا اور متاخرین کا سب سے آخری شاعر انیس تھا۔ مذہبی شاعری ہوتر سے شروع ہو کر انیس پر ختم ہو گئی۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں: میر انیس زبان کے بادشاہ تھے۔ ایک ایسے جوہری تھے جو الفاظ کو تراش کر استعمال کرتے تھے اور جس کی آب و تاب سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ میر انیس نے فن مرثیہ گوئی کو حد کمال کو پہنچا دیا۔

انور سدید: اس سے بڑھ کر انیس کے کلام کی قدر کی ناشناسی کی دلیل کیا ہوگی کہ ان کے فن کی حسین موازنہ انیس اور دبیر سے آگے بڑھ نہ سکی۔ میر انیس کے اشعار میں بے پناہ روانی اور تحرک ہے لفظوں قافیوں اور ردیفوں کا ایک سیل بے پناہ ہے کہ لمحہ بہ لمحہ واقعات کے موتی اگلتا

ہے اور قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور قاری ہے کہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے اور معنی و مفہوم کے عمیق باطن میں غوطہ لگانے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ حرکت اور روانی میر انیس کے فن کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ ان کے مزاج کا ایک اہم زاویہ بھی ہے۔

ڈاکٹر غیر مسعود: بڑے اور حقیقی شاعر کی پہچان یہ ہے کہ اس کی اہمیت اس کے عہد سے لے کر بعد کے آنے والے ہر دور میں برقرار رہتی ہے۔ اردو میں اس معیار پر پورے اترنے والے شاعر میر، غالب، انیس اور اقبال ہیں جنہوں نے اپنے اپنے عہد سے لے کر آج تک اپنی اہمیت برقرار رکھی ہے۔ اصلی شاعری میں معنی اور آہنگ الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ شعر کی آدھی معنویت اس کے آہنگ میں آدھا آہنگ اس کی معنویت میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اردو میں غالب، انیس اور اقبال کے یہاں معنی اور آہنگ کا ادغام کامل ہے اور انیس کے یہاں اس ادغام کی جتنی مختلف النوع صورتیں نظر آتی ہیں اتنی تو غالب اور اقبال کے یہاں بھی نظر نہیں آتیں۔

ڈاکٹر فضل امام: انیس نے اپنے نگر و نمن کی دستوں سے صرف اردو مرثیہ نگاری کو ہی توانا اور موثر نہیں بنایا ہے بلکہ اردو شاعری کو با آبرو بنا دیا۔ اگر

مراٹی انیس نہ ہوتے تو جدید نظم نگاری کی بنیاد اور ابتدا کا تصور ہی ایک
ہر حال تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ: انیس کے کلام میں زخموں کے گلستان کھلے ہیں۔ وہ زخم اہل
بیٹ کے بھی ہیں اور ان کے اپنے دل کے زخم بھی۔ فرق صرف یہ
ہے کہ میر تقی میر رو کر اوروں کو صرف رلانا ہی جانتے ہیں۔ انیس
روتے اور رلاتے بھی ہیں مگر اس طرح کہ رونے والا محظوظ بھی ہو سکتا
ہے اور یہ حظ اس تہذیب غم سے پیدا ہوتا ہے جس نے انیس کے
مرثیوں کو دنیا کی شاعری میں ایک منفرد اور برتر مقام عطا کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر شان الحق حقی: انیس کے مراٹی میں ڈرامائی انداز اور ڈرامائی فضا اتنی عام
ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انیس کے ہاں ڈراما بیانیہ شاعری
کے ساتھ ہی ساتھ موجود ہے اور بعض مرثیوں میں بیان پر حاوی نظر آتا
ہے۔ یوں تو انیس کا کوئی بھی مرثیہ مکالمے اور ڈرامائی مناظر سے خالی
نہیں لیکن ایسے بھی مرثیے ہیں جو بیشتر تقریر و مکالمے پر مشتمل ہیں۔
انیس اپنی طرف سے اتنا نہیں بولتے جتنا کہ ان کے کردار بولتے نظر
آتے ہیں۔ انیس کے مرثیوں میں مناظر کو اسٹیج پر برپا کرنے کی
ضرورت یا کمی محسوس نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر وقار عظیم: انیس کے فن کارانہ تصرف کے بعد قومی شاعری ایک مستقل سانچا بن گئی۔ حالی کے مسدس اور اقبال کے شکوہ اور جواب شکوہ میں اسی کا عکس ہے۔

فضل قدیر: میر انیس ایک عظیم شاعر ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ انہوں نے مشاہدہ حق کی گفتگو کی ہے لیکن با وضو اور پُر تقدیس انداز میں۔ ان کے کلام میں ایک بھی شعر ایسا نہیں جس میں مذہبی معتدلاں پر اشارت بھی کوئی چوٹ کی گئی ہو۔ انیس مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کے سخت مخالف تھے۔ وہ ملیت اسلامیہ کو متحد اور مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر فدا حسین: واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تب اس کو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورے میں سین کھنچا کہتے ہیں اور یہ کمال فردوسی اور انیس ان دونوں ہستیوں پر ختم ہو گیا۔ جہاں بھی جو واقعہ بیان کیا گیا اس کی ایک زندہ تصویر پیش کر دی۔

سید ہاشم رضا:

جہاں میں سلطت شاہی کو مختصر دیکھا سخن میں تیری خدائی کو معتبر دیکھا
سند ہیں شعر تر۔ مستند زبان تیری ترے ہنر کا ہے پرتو جدھر جدھر دیکھا

ہر ایک بحر میں تو نے گہر نشانی کی ہر ایک بیت میں ہیروں کو منتشر دیکھا
خزانہ تو نے لٹایا ہے شعر و معنی کا جسے بھی فکر ہوئی اس نے تیرا درد دیکھا

حامد حسن قادری: ”میر انیس نے مرثیہ کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ مرثیے کے تمام اجزا بہترین اسلوب کے ساتھ لکھے۔ مرثیہ کی جملہ خوبیاں زبان و ادب کے لحاظ سے ایسی پیدا کیں کہ ان سے بہتر تصور میں نہیں آسکتیں۔ خصوصاً مناظر و جذبات کی محاکات (تصویر کشی) میں تمام حقدین و معاصرین سے ممتاز ہیں۔ بین اور الم کے مضامین بھی سب سے زیادہ دل گداز تھے۔“

(تاریخ و تنقید، صفحہ ۱۱۱ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء آگرہ)

احسن فاروقی: انیس شاعروں کا شاعر ہے اور جسے شاعری یکھنی ہے اسے انیس کے در کی چبہ سائی کرنی پڑے گی۔

سید عابد علی عابد: انیس کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر صنف کے بحر سے فائدہ اٹھا کر مرثیے کو ایک ایسی چیز بنا دیا جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، ڈرامہ، داستان سب ہی چیزوں کا رنگ جھلکتا ہے اور اس کے باوجود اس صنف سخن کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔

آل احمد سرور: اردو شاعری میں میر انیس کا درجہ بڑے شاعروں میں بھی بہت بڑا ہے۔ پڑھنے والا انیس کی خطابت ان کی چادو بیانی اور ان کی عقیدت کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر وحید اختر: انیس کا اثر بعد کی نسلوں پر گہرا ہے کہ اسے سمجھے بغیر اردو نظم کے لب و لہجہ کو سمجھنا ممکن نہیں۔ چمکتے کے مسدس تو صاف انیس کا ہے۔ نظر آتے ہیں۔ اقبال کے مسدسوں ہی میں انیس کا پرتو نہیں بلکہ دوسری نظموں میں بھی انیس کے اسلوب کا عکس جھلکتا ہے۔ جوش جن کے لیے کہا جاتا ہے کہ اردو میں الفاظ کا اتنا بڑا چادو گر دوسرا نہیں ہوا انیس ہی سے کب فیض کرتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر: میر انیس مرثیہ نگاری کو ایک ایسا ہمہ گیر اور با مقصد آرٹ سمجھتے تھے جو افادیت و مقصدیت اور سادگی و پُرکاری اور بے خودی و ہوشیاری کا بہترین احتراز ہو۔ اس لئے انیس کے ساتھ ”توصیف“ اور ”رقت“ کے ساتھ تعریف کے التزام کو ضروری تصور کرتے تھے۔

احمد ندیم قاسمی:

جہاں شعر کا اک ایک نامور دیکھا انیس تجھ سا نہ کوئی بھی باہر دیکھا
ہیں متفق بھی اہل ہنر کہ تیرا مثل نہ تیرے بعد ہی دیکھا نہ جیستر دیکھا

سید فیضی:

پروردگار شعرِ خداے سخنِ انیس نورِ تخیلات کا ہے پائینِ انیس
مجلسِ انیس بزمِ انیسِ انجمنِ انیس منبر کی جانِ طرزِ خطابت کا فنِ انیس
حکمت کی روشنی ہے وضاحت کا ذوق ہے
جاود بیاں انیس دبستانِ شوق ہے

سید عاشور کاظمی: میرا انیس نے مرثیہ گوئی میں جو راہیں تراشی ہیں ان کے بعد
آنے والے کم و بیش انھیں راہوں پر چل رہے ہیں، مگر اس حقیقت
سے انکار ممکن نہیں کہ مرثیے کا قافلہ جہاں پہنچا ہے وہ میرا انیس کے
صدے میں پہنچا ہے۔ جدید مرثیے کے ساتھ چلنے والوں نے بھی میر
انیس کی احسان فراموشی کبھی نہیں کی۔ میرا انیس کی عظمت نہ کبھی
متنازعہ تھی نہ ہوگی۔

ڈاکٹر ہلال نقوی: انیس اس لئے بھی اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار کہلائے
کہ ان کے مرثیوں میں ادبیت اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ
موجود ہے جس نے انسانی جذبات کو روشنی کی زبان دی۔ ان کی
شاعرانہ عظمتوں کی وہ صفات جو انھیں تمام مرثیہ گو شعرا سے الگ
کر دیتی ہے ان کے متعدد زاویے ہیں لیکن دو زاویے اس ذیل میں
بہت اہم ہیں ایک تو کردار و واقعات کے ذیل میں ان کی نفسیاتی پہنچ
اور دوسرے ان کی زبان۔

فیض احمد فیض: قدیم شعرا میں ہمارا پسندیدہ شاعر کون ہے۔ ویسے اردو شاعری میں تو پہلا نام میر ہی کا آتا ہے۔ میرے خیال میں غالب سے فنی لگاؤ کی بنا پر اس کا نام میر سے پہلے آتا ہے۔ جہاں تک زبان و اسلوب کا تعلق ہے اس میں میر کا جو طرز بیان ہے اس سے استفادہ نہ کرنا اپنے آپ کو محروم رکھنا ہے۔ جہاں تک الفاظ اور ترنم کا معاملہ ہے ہم میر انیس سے کسب فیض کرتے رہے اور جہاں تک آج کل کے ذہن و خیال کا تعلق ہے ہم سبھی اقبال سے متاثر ہیں۔
(فیض، مطبوعہ انٹرویو)

ڈاکٹر صفدر حسین: انیس اس خانوے کے ایک فرد تھے جس کی کم از کم چار پشتیں تو ضرور ہی محافظت زبان میں گزری تھیں۔ انیس اپنے عہد میں اس تحریک کے سب سے بڑے محافظ اور پاسان تھے جس کی خصوصیات صحت، صفائی، پاکیزگی، کلنگی اور شیرینی تھیں۔ انیس کے کلام میں سلاست، شیرینی اور شکوہ کے استخراج سے رفعت بیان پیدا کی گئی ہے۔ یہاں اندرت تشبیہ و استعارات کا عمل بھی نمایاں ہے لیکن صنعتوں کا استعمال بھی بڑے حسین انداز سے ہوا ہے۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار کی کوئی کمی نہیں جن میں حسن رعایت اپنے عروج پر ہے۔

اللہ ری خوشبو تن محبوب خدا کی
 پہلوں کی مہک آگنی کلیوں سے قہا کی
 (شاہکار انیس، ڈاکٹر صفدر حسین)

مولوی عبدالحق: انیس کی زبان سنگم ہے۔ چند زبانوں اور مختلف قسم کے الفاظ کا
 جو ہارے شعرا کے یہاں کیا ہے۔ ہمارا ہر شاعر صرف ایک صنف
 پر عبور رکھتا ہے اور اسی کا وہ استاد یا شاعر کہلاتا ہے۔ اس کو مخصوص کسی
 ایک صنف سے متصف کیا جاتا ہے لیکن انیس کا کلام مجموعہ ہے زندگی
 اور شاعری کے مختلف پہلوؤں کا۔

(فرہنگ انیس۔ نائب حسین نقوی)

مولوی سید احمد صاحب فرہنگ آصفیہ: انیس محاورات کا بادشاہ تھا۔
 (فرہنگ آصفیہ۔ نائب حسین نقوی)

نائب حسین نقوی: میر انیس کا مطالعہ عوام اور خواص نے حتیٰ کہ مرے کے
 شائقین نے بھی اس گہری نظر سے نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ ایک طبقہ
 نے تو محض رونے رلانے کے پیش نظر پڑھا اور اس کے آگے کچھ
 سوچنے کی زحمت نہ کی لیکن میں عرض کروں کہ انیس کے یہاں
 رعایت کا عنصر تقریباً انھوں حصہ رہ جاتا ہے۔ باقی تمام کلام

دوسرے اصناف و اقسام یا موضوعات و عنوانات سے منسلک ہے۔ حمد، نعت، منقبت، مدح، قصیدہ، مثنوی، غزل اور اس کے ماوراء عنانیات جمالیات، سیاسیات، جنگ اور ان تمام موضوعات کے مختلف گوشے بھی ان کے پیش نظر رہے۔

افتخار عارف: حیرت ہوتی ہے کہ فی زمانہ انہیں کو دیا مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور ایک زمانے تک وہ جس کے حقدار سمجھے جاتے رہے۔ ہمارے بچپن میں میر، غالب، انیس اور اقبال عظیم شعرا کی ذیل میں زیر بحث رہے۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز و عروج میں نظیر اکبر آبادی بھی اس فہرست میں شامل ہو گئے کہ ان کی جزیں اپنی دھرتی اور اپنی عوام سے بیوست تھیں۔ پچھلے چند برسوں میں اہلیات میں کوئی بہت قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ برادر گرامی قدیر مسعود نے اپنے والد بزرگ استاد الاساتذہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کی روایت میں بلاشبہ جو گراں اضافے کیے اور مرحوم و مغفور سید جواد علی زیدی، شاربِ رودلوی، پروفیسر گوپی چند نارنگ کے کچھ مضامین استثنائاً قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ اب تو رٹائی ادب کی تحریریں عزاخانوں کے مذہبی کتاب گھروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں اور بڑے شہروں میں مراٹھی کے مجموعہ بہت مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔

اودھ تریش شری رام چندر جی کو مرکز و محور مان کر تو سوامی تلسی

داس نے رام چرت مانس لکھی۔ اودھی زبان میں اور اودھ کی دھرتی پر۔ سو راماین میں پوری ہندوی ستھیا سانس لیتی نظر آتی ہے۔ عظیم شاعر نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ انہیں نے اسی اودھ میں رہتے ہوئے اسلام کے ایک جلیل القدر گھرانے کے فرد نبیؐ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ کے نواسے، علی اور فاطمہ کے بیٹے حسین اور باطل کے نمائندے یزید کے لشکر کے مقابل کر بلا میں قیام کو موضوع شعر بنایا اور ایسی شاعری کی جس پر معجزے کا گمان ہوتا ہے۔ مرثیہ کو شعرا نے زبان کی تخلیقی ارتقا میں وہ کام کیے جو دوسرے شعرا انجام نہ دے سکے۔ انہیں جس کے سب سے اہم نمائندہ تھے۔ اس کا اعتراف و احترام واجب آتا ہے۔

(اقتباس از مکتوب افتخار عارف بنام قتی عابدی)

حمدیہ رہائی (1) اللہ ہی عطا کرتا ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے
انسان کو رزق، گل کو یو، سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے، جس کو، تو دیتا ہے

حمدیہ رہائی (2) اللہ رزاق ہے

سب سے اول ہے سب سے سابق ہے وہی
حمد و صفت و ثنا کے لائق ہے وہی
درویش نہ محروم، نہ منعم بے فیض
پشے کا بھی، عنقا کا بھی رازق ہے وہی

اللہ بخیر ہے

3

حمید رہائی

اپنوں کا گلہ نہ غیر ذالک کا ہے
 کیوں سعی نہ کی قصور سالک کا ہے
 تعزیر دے یا عفو کر اے ربِّ کریم
 مخلوک پہ اختیار مالک کا ہے

معرفت الہی

4

حمید رہائی

حیران ہے عقل و دل شیدا سب میں
 دیکھو کہ ہے شان اس کی ہویدا سب میں
 کیا قدرتِ معبود ہے اللہ اللہ
 پنہاں سب میں ہے اور پیدا سب میں

حمدیہ رہائی (5) خدا کی قدرت

نہ لعل میں ہے نہ گہر و سنگ میں تو
پر صاف چمکتا ہے ہر اک رنگ میں تو
باہر عالم سے ہے بزرگی تیری
کس طرح سمایا ہے دل تنگ میں تو

حمدیہ رہائی (6) ذاتِ خداوندی کی عظمت سے بالا ہے

خلاقِ جہاں ہے رب اکبر تو ہے
سُٹار ہے، رزاق ہے، داور تو ہے
حیران ہوں کیا کروں صفت میں تیری
جو حمد و ثنا ہے اُس سے برتر تو ہے

۱

معرفتِ خدا

7

حمیدِ ربّانی

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دوا نکھوں سے کیا کیا دیکھوں

معرفتِ خدا

8

حمیدِ ربّانی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
پہل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

اللہ مختار ہے

9

حمیدِ ربانی

صالح بھی ترا ہے زشت بھی تیرا ہے
 کعبہ بھی ترا کنشت بھی تیرا ہے
 حاضر ہے گنہگار جدھر بھیج دے تو
 دوزخ بھی ترا، بہشت بھی تیرا ہے

تخلوقِ مہابت گزارِ خدا ہے

10

حمیدِ ربانی

بلبل تری یاد میں فغاں کرتی ہے
 شاخِ گلِ تر زمیں پہ سر دھرتی ہے
 استادہ نہیں قیام میں سرفقظ
 قمری بھی ترے عشق کا دم بھرتی ہے

حمیدِ ربانی (11) اللہ رگِ جان سے قریب ہے

پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
قریب رگِ جاں سے اور پھر اُس پہ یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

حمیدِ ربانی (12) معرفتِ الہی

سرگرم رہے نہ، سرد آہیں ہیں یہی
سویا کیے، حسرت کی نگاہیں ہیں یہی
ہر جسم میں ہیں جو تین سو ساٹھ رگیں
گویا تری معرفت کی راہیں ہیں یہی

معرفت الہی

13

حمیدِ رہائی

مڑ کر کب تک ادھر ادھر دیکھوں میں
 حیراں ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں
 دنیا ہو کہ عقبی ہو، فلک ہو کہ زمیں
 تو ہی تو ہے جدھر جدھر دیکھوں میں

منا فی خدا

14

حمیدِ رہائی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
 ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
 سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخار
 ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

معرفت الہی

15

حمید رہائی

سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں
دیکھا نہیں جس کو، اس کا عاشق ہوں انیس
جہا ہے جو بے شمع، وہ پروانہ ہوں

رحمت الہی

16

حمید رہائی

کونین کی دولت ہے عنایت تیری
ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
مستوجبِ دوزخ ہوں، اگر عدل کرے
یا رب! اگر بخش دے تو رحمت تیری

رحمتِ الہی

17

حمیدِ ربانی

فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے
 مومن پہ مگر رحمتِ رب ہوتی ہے
 آگاہ گناہوں سے نہ ہو ایک کے، ایک
 فرداً فرداً جیسی طلب ہوتی ہے

رحمتِ الہی

18

حمیدِ ربانی

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
 افزودن ہے ترے غضب سے رحمت تیری
 جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
 وہ رحم ترا ہے، یہ عدالت تیری

رحمت الہی

19

حمید رہائی

دریا تری رحمت کا اگر سر کھینچے
 جنت کبھی مجھ کو، کبھی کوڑ کھینچے
 دھو ڈالیں لکھے کو کاتبانِ اعمال
 گر تو قلم غفو خطا پر کھینچے

معرفتِ خدا

20

حمید رہائی

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے
 یہ بجز، یہ انکسار بھایا ہے تجھے
 جب تک 'میں' تھا تو بعد تھا برسوں کا
 جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

کچھ ممکن نہیں

(21)

حمید رہائی

ہیں معترفِ عجزِ ثنا خواں تیرے
افزوں ہیں مرے شکر سے احساں تیرے
میں کرتا ہوں جرم، عفو کرتا ہے تو
لائقِ مرے وہ ہے، یہ ہے شایاں تیرے

دولتِ حقیقی

(22)

حمید رہائی

دولت کی ہوس ہے نہ طمعِ مال کی ہے
خواہشِ منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے
ہے ذاتِ تری جواد و غفار و عفی
اُمیدِ تجھی سے ترے افضال کی ہے

دولتِ حقیقی

(23)

حمیدِ رہائی

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی
عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبروے دین و ایماں
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی!

کرمِ الہی

(24)

حمیدِ رہائی

بندے کو خیال دم بدم تیرا ہے
یہ جسم ترا ہے اور یہ دم تیرا ہے
کرتا ہے جو مجھ سے زرد زو کو سرسبز
اے ایڑ کرم یہ سب کرم تیرا ہے

شکر الہی

(25)

حمیدِ ربانی

قانع ہو جو کچھ ہمتِ مردانہ ہے
 کیوں صحبتِ اہلِ زر کا پروانہ ہے
 حقا کہ شمارِ نعمتِ حق کے لیے
 جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

عبادت

(26)

حمیدِ ربانی

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری
 مجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری
 دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی
 عصیاں مرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری

عبادت

(27)

حمیدِ ربانی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
 بذلِ کرم و عطا ہے عادت تیری
 صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
 دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

رحمتِ الہی

(28)

حمیدِ ربانی

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارہ نہ کیا
 پر تو نے دل آزرده ہمارا نہ کیا
 ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
 لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

رحمتِ الٰہی

(29)

حمیہ رہائی

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں
تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں نہ میں
بخشنے مرے جرم تو نے لاکھوں یا رب!
رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

رحمتِ الٰہی

(30)

حمیہ رہائی

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں
نہ مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو
ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

رحمت الہی

31

حمیدِ ربّانی

اے خالقِ ذوالفضل و کرم رحمت کر
 اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
 سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
 اپنی تجھے رحمت کی قسم! رحمت کر

رتبہ آدم

32

حمیدِ ربّانی

آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا
 ادنیٰ کے لیے مقامِ اعلیٰ بخشا
 عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں
 اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

گل و بلبل

33

حصہ رہائی

لالے سے عیاں بہارِ سر جوشی ہے
 زگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے
 کیسی یہ گوگو ہے اے رب کلیم
 بلبلِ نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

محمد بے مثال ہیں

34

نعتیہ رہائی

ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں
 ہاں دردِ محبت ہی مگر ہم میں نہیں
 مجھ سے تیرے لیے ہزاروں بندے
 تجھ سا میرے لیے دو عالم میں نہیں

سفیر محمد

35

نعتیہ رہائی

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا
 نہ شرع چڑھی کوئی، نہ پردا اُترا
 تھا کشتی احمد سے علاقہ جس کو
 دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

معراجِ نبی

36

نعتیہ رہائی

دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
 کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
 باریک ہے ذکرِ قربِ معراجِ رسولؐ
 خاموش کہ یاں خن کو بھی راہ نہیں

رسول کا سایہ نہ تھا

(37)

نعتیہ رباعی

آدم کو یہ تحفہ، یہ ہدیہ نہ ملا
ایسا تو کسی بشر کو پایہ نہ ملا
اللہ ری لطافتِ تنِ پاکِ رسول
ڈھونڈا کیا آفتاب، سایہ نہ ملا

دیدار رسول اللہ کا دیدار ہے

(38)

نعتیہ رباعی

یا ختمِ رسل! مستِ مئے اُلفت ہیں
قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں
دیکھا جو حضور کو، خدا کو دیکھا
اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

نعتیہ رباعی (39) دیدارِ رسولِ اللہ کا دیدار ہے

کھو دل کے مرض کو اے طیبِ اُمت
 سکھلا آداب اے ادیبِ اُمت
 اللہ کے نور کو بعینہ دیکھیں
 مگر ہو ترا دیدار نصیبِ اُمت

نعتیہ رباعی (40) نبی اور علی سے خدا ملتا ہے

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
 اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
 مطلوب ملا ابنِ ابی طالب سے
 جب شاہِ عرب ملے تو رب کو پایا

نعتیہ رباعی (41) میں شہر مم ہوں حق اُس کا دروازہ ہیں

کیا بھائیوں کے انس کا اندازہ ہے
ہر وقت گلِ عشق تر و تازہ ہے
یہ باب میں حیدر کے نبی کہتے ہیں
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

نعتیہ رباعی (42) موزنی کے ساتھ ہوں مکتوب ہیں

احمد کا برادر گرامی تو ہے
یا شیرِ خدا خلق میں نامی تو ہے
اے قائدِ خیر و پیشوائے امت
کچھ غم نہیں گر جہاں میں حامی تو ہے

نعتیہ رہائی (43) معراجِ نبیؐ و ملاقاتِ علیؑ

اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا
معراج میں حضرت نے کسی کو دیکھا
کہنے لگے مسکرا کے، محبوبِ خدا
واللہ جہاں دیکھا، علیؑ کو دیکھا

نعتیہ رہائی (44) شریکِ معراج

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا تاجِ نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
فرماتے ہیں، میں تن ہوں علیؑ سر ہے مرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

ملاقات معراج میں

(45)

نعتیہ رہائی

جو مرتبہ احمدؑ کے وحی کا دیکھا
 ہم نے نہیں رتبہ یہ کسی کا دیکھا
 کہتے ہیں نبیؐ جب ہوئی معراج مجھے
 پہنچا جو وہاں، ہاتھ علیؑ کا دیکھا

علیؑ مہر نبوت کا گیند ہے

(46)

نعتیہ رہائی

محبوب خدا کا جانشین حیدرؑ ہے
 قدیل سر عرش بریں حیدرؑ ہے
 رکھے کعبہ میں پا سر دوشِ نبیؐ
 لو! مہر نبوت کا جگمگائیں حیدرؑ ہے

نعتیہ رہائی (47) نئی اور علی دلی ہیں

ہے شانِ علی سے حق کی شوکت پیدا
ہے اُن سے ہر اک نبی کی خصلت پیدا
آکھنے میں جیسے مہر دکھائی دے
چہرے سے ہے یوں نورِ ولایت پیدا

نعتیہ رہائی (48) فضیلتِ محمدؐ

ہے چادرِ نورِ حق ردائے حیدر
خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدر
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک
یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدر

نعتِ ربانی (49) لسانِ اللہ اور محمدؐ علیؑ ہیں

مختارِ زمین و آسمان حیدرؑ ہے
گویا کہ محمدؐ کی زباں حیدرؑ ہے
جب نام لیا تقویتِ روح ہوئی
بے جاں ہے مگر جاں جہاں حیدرؑ ہے

نعتِ ربانی (50) حدیث: انا و علیؑ من نور واحد

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک
ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہے واحد
ہیں اسم تو دو مگر مسمیٰ ہے ایک

عشق محمد علی

(51)

نعتیہ رہائی

ہے کون و مکاں میں اختیارِ حیدر
گردوں ہے سُبکِ پیشِ وقارِ حیدر
اک جان ہے، اک دل ہے بضاعتِ اپنی
احمد کے وہ قرباں، یہ غارِ حیدر

ہجراتِ شقِ القمر و رجعتِ خورشید

(52)

نعتیہ رہائی

شایاں تھے انہیں کی شانِ برتر کے لیے
اعجازِ یہ دو، دونوں برادر کے لیے
شقِ القمر و رجعتِ خورشید بہین
احمد کے لیے وہ، اور یہ حیدر کے لیے

منتهی رہائی (53) ولادت علی سے کعبہ شرف ہوا

حیدر سا امام، حق کی رحمت سے ملا
کیا کیا نہ شرف ان کی اطاعت سے ملا
عالم میں ہوا قبلہٴ اوّل بھی وہی
کعبے کو شرف جس کی ولادت سے ملا

منتهی رہائی (54) علی کا مقام و مرتبہ

ہے روح امیں علی کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کتریں ثنا خوانوں میں
خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہے
دن کو ذروں میں شب کو پروانوں میں

ساقی نامہ

55

معتق ربانی

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
 گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
 سرمست ہیں حبِ ساقی کوثر سے
 آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیانہ ہے

علی مشکل کشا ہیں

56

معتق ربانی

احبابِ لحد تک تو پہنچائیں گے
 کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
 تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل
 تب عقدہ کشائی کو اہم آئیں گے

معتقی رہائی (57) علی مشکل کشا ہیں

میزانِ کرم میں جرمِ ثل جاتے ہیں
فردوس میں مثلِ بوئے گل جاتے ہیں
انگشتِ علی سے بابِ خیبر کی طرح
عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

معتقی رہائی (58) مزارِ حیدر

سرمہ ہے غبارِ رگوارِ حیدر
مردم نہ ہوں کس طرحِ ثارِ حیدر
ہو جاتیں کور کی بھی آنکھیں روشن
آئینہٴ نور ہے مزارِ حیدر

معقوفی رہائی (59) علی کا گھر

برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا
 پر سب نے شرف علی کے گھر سے پایا
 سدرے سے پکارتے ہیں جبریل امیں
 میں نے بھی جو پایا، اسی در سے پایا

معقوفی رہائی (60) مدح بارہ امام

روشن شمعیں تجلّی طور کی ہیں
 خال اُن کے رُخوں کے، پتلیاں حور کی ہیں
 قربانِ دروازہ ﴿﴾ امامِ برحق
 بارہ سطریں یہ سورۃ ”نور“ کی ہیں

منقحی رہائی (61) علی عقدہ کشا ہیں

اک آن نہیں حق سے جدا حیدر ہے
حق کا کرم و لطف و عطا حیدر ہے
حور و غلاماں ملائک و جن و بشر
سب جانتے ہیں عقدہ کشا حیدر ہے

منقحی رہائی (62) ذوالفقار

جو صف تہ تیغ شاہ آجاتی تھی
اڑ جاتے تھے سر، ٹکست پا جاتی تھی
مشہور ہے تلوار کو کھا جاتا ہے زنگ
وہ تیغ جو مورچے کو کھا جاتی تھی

غلام حیدر

63

مہنتی رہائی

دنیا سے اٹھالے کے میں نامِ حیدر
جنت کو چلا بہرِ سلامِ حیدر
عصیاں ہوئے سدرہ تو رضواں نے کہا
آنے دو، اے ہے یہ غلامِ حیدر

علی کی بخشش

64

مہنتی رہائی

بے دینوں کو مرتضیٰ نے ایماں بخشا
دینداروں کو جنت کا گلستاں بخشا
بخشش کا ہے خاتمہ کہ خاتم دے کر
درویش کو رتبہ سلیمان بخشا

مہفقی رہائی (65) نبی اور علی کی مدح عبادت الہی ہے

سرگرم ہوں میں نبی کی مذاہی میں
کام آئے زباں وحی کی مذاہی میں
یا رب یہ مری عمر کئے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے، علی کی مذاہی میں

مہفقی رہائی (66) علی کی معراج

افضل نہ کسی کو مرتضیٰ سے پایا
برتر دنیا کے انبیاء سے پایا
معراج میں مصطفیٰ کے ہمراہ رہے
یہ آج عنایتِ خدا سے پایا

مضمتی رباعی (67) زندگی علی کی ضمانت ہے

گر شیرِ خدا زیت کا بانی ہو جائے
اعجازِ مسیحا کا، کہانی ہو جائے
چاہیں جو علیؑ فنا سے تبدیلِ بقا
مرگِ مہرم بھی زندگانی ہو جائے

مضمتی رباعی (68) علیؑ پر خالق کو بھی فخر ہے

کیا اس کی صفت میں پھر کوئی بات کرنے
خود جس کی ثنا رسولؐ دن رات کرے
پیدا کیا مرتضیٰ علیؑ سا بندہ
کیوں کر یہ قدرت نہ مہابات کرے

معنی ربانی (69) علی کا سیال کی طمانت ہیں

نا کام بھی کامیاب ہو جاتا ہے
بے قدر، فلک جناب ہو جاتا ہے
گر اک نظرِ مہر سے دیکھیں حیدر
ڈرہ بھی آفتاب ہو جاتا ہے

معنی ربانی (70) علی حاضر اور غائب ہیں

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علی
ہذا کہ رسولِ حق کا نائب ہے علی
اللہ اللہ صورتِ ذاتِ خدا
ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علی

مستحق رہا (71) علی کی طرح ممکن نہیں

وَمِ الْفَتِّ حیدر کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو، وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہیں کہاں صفاتِ ہمنامِ خدا
کیا آگے کہوں، خدا سے ڈرتا ہوں میں

مستحق رہا (72) عیدِ غدیر

اب وقتِ سرور و فرحتِ اندوزی ہے
ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
ہے آج سے دور شاہی شاہِ نجف
یہ رنگِ بہارِ فتح و فیروزِی ہے

عید غدیر

(73)

مفتی ربانی

ہر غنچے سے شاخ گل ہے کیوں نذر بکف
ہے روزِ خلافت شہنشاہِ نجف
حیدر ہوئے جانشینِ خاصِ نبویؐ
ہے آج طلوعِ نیرِ برجِ شرف

علی کی خوراک

(74)

مفتی ربانی

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ
دنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدرؑ
خود قاسمِ روزیِ دو عالم تھے، مگر
تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدرؑ

محقق رہی (75) آہلی کتبہ سرائے علی ہیں

افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدر
 حلالِ مہمات ہے ذاتِ حیدر
 توریت، انجیل اور زیور و قرآن
 ہیں ایک رہائی صفاتِ حیدر

محقق رہی (76) علی پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

مولّا کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے
 کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے
 اللہ رے مراتبِ علی اعلیٰ
 بندہ کوئی، کوئی خدا کہتا ہے

محقق رہا (77) علیؑ پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

یہ جود و سخا حاتمِ طائیؑ میں نہیں
مثل ان کے کوئی عقدہ کشائیؑ میں نہیں
معبود کے عہد ہیں، نصیری کے خدا
بندہ کوئی حیدرؑ سا خدائیؑ میں نہیں

محقق رہا (78) علیؑ کے گھر کا فیض و کرم

اعلیٰؑ رُتے میں ہر بشر سے پایا
افضل انہیں خضرؑ راہبر سے پایا
یہ در جو نہ ملتا، تو بھٹکتے پھرتے
جنت کا پتا علیؑ کے گھر سے پایا

محقق رہا (79) علی پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

قطرے ہیں یہ سب جس کے، وہ دریا ہے علی
 پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علی
 ہوتا ہے گماں خدا کا جس پر ہر بار
 اللہ اللہ ایسا بندا ہے علی

محقق رہا (80) علی کے گھر کا فیض و کرم

فیاض علی کو ہر بشر سے پایا
 ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا
 واں رہتا ہے بابِ خیر و آٹھ پہر
 حق سے مانگا، علی کے گھر سے پایا

محقق رہا علیؑ کے گھر کا فیض و کرم

(81)

کیا خر نے شرفِ علیؑ کے گھر سے پایا
کیا مرتبہ شادِ بحر و بر سے پایا
تھی آرزوئے بہشت و آبِ کوثر
وہ باپ سے پایا، یہ پسر سے پایا

محقق رہا علیؑ کا مقدمہ کشا ہیں

(82)

مطلب بھی علیؑ ہے، مدعا بھی ہے علیؑ
ہادی بھی علیؑ ہے، رہنما بھی ہے علیؑ
شیعوں کو ہو کیا بارِ مخالف کا خطر
کشتی بھی علیؑ ہے، ناخدا بھی ہے علیؑ

منقہتی رہائی (83) علی کے گھر کا فیض و کرم

ایماں پایا، علی کے در سے پایا
 رُتبہ پایا تو اس بشر سے پایا
 طوبیٰ، کوثر، بہشت، آرامِ لحد
 جو کچھ پایا، علی کے گھر سے پایا

منقہتی رہائی (84) علی مشکل کشا ہیں

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر
 ہے ابرِ کرم، دستِ سخائے حیدر
 یعقوب، و خلیل و یوسف و آدم و نوح
 سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

معتق رہائی (85) علی مشکل کشا ہیں

دیدار دم نزع دکھاتے ہیں علی
ایذا سے محبوبوں کو بچاتے ہیں علی
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختی مرگ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علی

معتق رہائی (86) علی مشکل کشا ہیں

امداد کو شیرِ حق لحد میں پہنچے
کچھ غم نہیں اب کہ اپنی حد میں پہنچے
تربت جو ہوئی بند، کھلا خلد کا در
خنداں خنداں جوارِ جد میں پہنچے

مضمتی رباعی (87) علی مشکل کشا ہیں

گر دوستی علی میں مر جائیں گے
 بگڑے ہوئے سب کام سنور جائیں گے
 جس وقت کہیں گے منہ سے یا شیرِ خدا
 جوں برق، صراط سے گزر جائیں گے

مضمتی رباعی (88) الف حیدر

افضل کوئی مرتضیٰ سے ہمت میں نہیں
 اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں
 طوبیٰ، تنیم و خلد و سیب و رمان
 وہ کیا ہے جو حیدر کی ولایت میں نہیں

متعلق رہا (89) ... نہ علی معرفت خدا ہے

خلاقِ انام کبریا کو جانا
عالم کا رسول مصطفیٰ کو جانا
ایمان کا ہمارے اس پہ ہے دار و مدار
جانا جو علی کو، تو خدا کو جانا

متعلق رہا (90) خلق کا سراپا

آہوئے حرم ہے چشمِ مستِ حیدر
کعبہ ہے دلِ خدا پرستِ حیدر
سینہ تو ہے مخزنِ علومِ نبوی
ابرِ کرمِ خدا ہے دستِ حیدر

علی کا سراپا

91

معتقی رہائی

جامِ عرفاں ہے چشمِ مستِ حیدر
حق ہیں ہے نگاہِ حق پرستِ حیدر
چہرہ ہے بہارِ بوستانِ فردوس
گلدستہِ باغِ دیں ہے دستِ حیدر

علی کی عظمت و فضیلت

92

معتقی رہائی

عالم یہ کتاب و علم و حکمت کے ہیں
ہر فصل میں ذکرِ ان کی کرامت کے ہیں
کہتے ہیں دو عالم جسے اہلِ عالم
دو باب یہ حیدر کی فضیلت کے ہیں

معنی رہائی (93) علی کی محنت و فعالیت

ہزار علی کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں شام تک سحر سے پایا
اللہ نے دی تیغ، نبیؐ نے دختر
رتبہ یہ ادھر سے وہ ادھر سے پایا

معنی رہائی (94) علی صاحب اختیار ہیں

جگول کو تاج خسروانی کر دیں
درویش کو اسکندرِ ثانی کر دیں
مختار ہیں سرد و گرم عالم کے علی
چاہیں تو ابھی آگ کو پانی کر دیں

مثنوی رباعی (95) علی صاحب اختیار ہیں

چاہیں جو علی قطرے کو دریا کر دیں
ادنیٰ پہ کریں مہر تو اعلیٰ کر دیں
نسخہ کیسا، علاج کہتے ہیں کے
بیمار کو چاہیں تو مسحا کر دیں

مثنوی رباعی (96) علی کی بلندی و عظمت

کعبے میں ہوا جو بندوبست حیدر
شاواں تھے دلِ خدا پرست حیدر
تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم
عرشِ اعلیٰ تھا زیرِ دست حیدر

منقحی رباعی (97) علی کی بلندی و عظمت

رُتے میں علی کے عرش بھی پست ملا
سب ان کو خدا کا گھر در و بست ملا
کعبے میں نبی کے دوش، اور ان کے قدم
یہ اُوج کسی کو کب سر دست ملا

منقحی رباعی (98) علی مولودِ کعبہ ہیں

دینداروں نے امن، کفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف، ایسے گھر سے پایا
ہاتھوں پہ علی کو لے کے احمدؑ نے کہا
یہ دُرّ نجف خدا کے گھر سے پایا

معصومی رہائی (99) علی بت ممکن ہیں

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفیٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلال اسم اعلاے علی
أضام کو اس نام نے برباد کیا

معصومی رہائی (100) الفت حیدر

قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدر
ہے واردِ ہل اتی عطائے حیدر
دو چیزیں ہیں عقبیٰ کے لیے دنیا میں
اک یادِ خدا ایک ولائے حیدر

الفت حیدر

(101)

محقق رہائی

عرفاں تصدیقِ حجتِ حیدر ہے
ایماں نورِ محبتِ حیدر ہے
دوزخ ہے عداوتِ علی کا بدلہ
فردوس بہائے اُلفتِ حیدر ہے

علی پانی صحت ہیں

(102)

محقق رہائی

گر نیرِ دیں کی مہربانی ہو جائے
ذرہ ابھی خورشید کا ٹانی ہو جائے
لعلِ لبِ حیدر سے جو ہو حکمِ شفا
پتھر ہو اگر مرض تو پانی ہو جائے

قبر

(103)

اخلاقی رہائی

بستی کو اُجاڑ کر بسایا ہے اسے
 گھر اپنا بگاڑ کر بنایا ہے اسے
 سوئیں گے لحد میں پاؤں پھیلا کے انیس
 کھویا ہے جو نقد جاں تو پایا ہے اسے

پردہ پاری اور فروتنی

(104)

اخلاقی رہائی

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
 وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
 کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
 جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

خاکساری

(105)

اخلاقی رباعی

انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو
 سختی بھی جو ہو تو بُردباری کر تو
 پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھ کو
 بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

برودباری معرفت کا راستہ ہے

(106)

اخلاقی رباعی

ہو خاک دلا اُمید آزادی میں
 حاصل ہو بلندی تجھے بربادی میں
 آساں نہیں کچھ طریقِ عشقِ معبود
 موسیقی بھی تو ایمن تھے نہ اس وادی میں

اخلاقی رہائی (107) غصہ ناکامی کا راستہ ہے

ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں
پاتا نہیں شید خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

اخلاقی رہائی (108) گوشہ عافیت

دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا
برسوں نہ کبھی روزِ فراغت دیکھا
راحت کا مکاں، امن کا گھر، خانہ عیش
دیکھا تو جہاں میں گنجِ عزالت دیکھا

دنیا کی بد نظمی

(109)

اخلاقی رہائی

شکلِ چمنِ صدق و صفا بگڑی ہے
ہے رنگِ نیا بوے وفا بگڑی ہے
پھولوں سے ہے پھولوں کو دغا کا کھٹکا
کیا گلشنِ عالم کی ہوا بگڑی ہے

طعنِ دولت

(110)

اخلاقی رہائی

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ رے چیری میں ہوس دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

اخلاقی رہائی (111) نرمی اور انصاری بڑی قوت ہے

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
 جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
 نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں
 دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اخلاقی رہائی (112) جاہل کبھی بدلتا نہیں

جو صاحبِ فہم ہے وہی انسان ہے
 دانٹاں کے لیے فروتنی شایاں ہے
 جاہل کبھی جہل سے نہیں پھرنے کا
 ناداں کو اگر قلب کرو ناداں ہے

کثرتِ گناہ

(113)

اخلاقی رہائی

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے
 غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے
 یہ بے خبری، ہزار افسوس، انیس
 بڑھتے ہیں گز، عمر گھٹی جاتی ہے

غرورِ خاکساری

(114)

اخلاقی رہائی

دل کو مرے شغلِ غمگساری کا ہے
 غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
 گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ
 ہم کو بھی غرورِ خاکساری کا ہے

اخلاقی رہائی (115) نفسِ لتارہ بڑا شیطان ہے

برباد کیا ہے طبعِ آوارہ نے
 تڑپا رکھا ہے قلبِ صد پارہ نے
 شیطان کی نہ کچھ خطا، نہ قسمت کا قصور
 مارا مجھے آہِ نفسِ لتارہ نے

اخلاقی رہائی (116) نااہلوں کے دل بند ہیں

رہتے ہیں سدا ہوش بجا بینا کے
 روشن ہوں نہ کیوں قلبِ سوا بینا کے
 نااہل کے سامنے ہے یوں نیکی و پند
 جس طرح چراغ آگے ناہینا کے

فقیری

(117)

اخلاقی رہائی

وہ صبرِ مرآء وہ بردباری تیری
 بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری
 اللہ یوں ہی سب کی نبا ہے اے فقر
 جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

حرمِ رزق

(118)

اخلاقی رہائی

ہر صبح یہ دوز کر کدھر جاتا ہے
 کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے
 جب ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم
 پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

اخلاقی رہائی (119) قلندری سکندری ہے

ہاں دولتِ فقر مصطفیٰ دیویں گے
توقیر و شرف شیرِ خدا دیویں گے
ہوگا جو گوشہ گیر مثلِ ابرو
مردم آنکھوں میں تجھ کو جا دیویں گے

اخلاقی رہائی (120) کرخیدہ (منعت حسنِ قلیل)

خود ڈھونڈ کے پیشِ اہلِ دل جاتا ہوں
غنیچے کی طرح ہوا سے کھل جاتا ہوں
پیری نے نہال بارور مجھ کو کیا
ہر اک سے میں آپ جھک کے مل جاتا ہوں

فقر کا نشہ

(121)

اخلاقی رہائی

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
وہ نشہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

خاموشی ہزارفت ہے

(122)

اخلاقی رہائی

ہے تیزی عقل و ہوش بیہوشی میں
باتوں میں یہ لطف ہے، نہ سرگوشی میں
سمجھے جو زبان بے زبانی تو کہوں
جو مجھ کو مزا ملا ہے خاموشی میں

اخلاقی رہائی (123) دنیا میں اتحاد نہیں

ان آنکھوں سے خوفِ لطفِ عالم دیکھا
مردم میں نہ اتفاقِ باہم دیکھا
سمجھے کہ خلافِ رسمِ عالم ہے، انیس
جس دم کسی بادام کو تو اُم دیکھا

اخلاقی رہائی (124) دوست کی عظمت

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں، طبل، علم ملتا ہے
عنقا گوگرد، سرخ، پارس، اکیر
یہ سب ملتے ہیں، دوست کم ملتا ہے

اخلاقی رہائی (125) دنیاوی مقام و منزلت

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو
مغرور نہ ہو جو اہلِ ادراک ہے تو
بالفرض گر آسمان پہ ہے تیرا مقام
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

اخلاقی رہائی (126) بھری اور ریاکاری

ہر دم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الہی دل میں
نافی کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ پسیدی ہے، سیاہی دل میں

اخلاقی رہائی (127) غلام صفت عقدہ کشا نہیں ہوتے

کب عنچے کی گلی بھڑی صبا نے کھولی
مشکل جو پڑی عقدہ کشا نے کھولی
اُمید کشوِ کارِ اسفل سے نہ رکھ
کس روز گرہ ناخنِ پا نے کھولی

اخلاقی رہائی (128) فخر و مہابت

نخوت یہ عبث دولتِ ناپاک پہ ہے
ہے خاک تری اصل، قضا تا کہ پہ ہے
لے دیکھ حقیقت تری دکھلانے کو
تو تخت پہ ہے سایہ ترا خاک پہ ہے

در بدری

(129)

اخلاقی رہائی

تکے پہ نہ سر ہے نہ بدن بستر پر
اس در پہ کبھی ہوں تو کبھی اُس در پر
ہر وقت ہے فکرِ مان و اندوہ لباس
کیا زیست نے ڈالی ہیں بلائیں سر پر

ہوں کوہِ نہیں

(130)

اخلاقی رہائی

اے آہ! ترا اثر نہ دیکھا ہم نے
حسرت سے کدھر، کدھر نہ دیکھا ہم نے
کیا کیا فحش ہوں کی شاخیں نکلیں
لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

عجز و عیب پوشی

(131)

اخلاقی رہائی

خلق و تعظیم دولتِ دینی ہے
ہر عیب کا عیب، عیب خود بینی ہے
ہوتی ہے گنہ گار کی توجہ بھی قبول
خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے

اصل درد مخلوق کا درد ہے

(132)

اخلاقی رہائی

روتے ہیں لہو ہر ایک ہمد کے لیے
ہم خلق ہوئے ہیں غمِ عالم کے لیے
نازاں نہ ہو دل سوزی ظاہر پہ انیس
جلتی نہیں شمع اہلِ ماتم کے لیے

اخلاقی رہائی (133) نیک نفسی

عاجز نہ کسی بشر کو اصلاً سمجھے
نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے
ہے اوج کمال و نیک نفسی کی دلیل
ادنیٰ بھی ہو گر تو اس کو اعلیٰ سمجھے

اخلاقی رہائی (134) حرمِ ثروت

اندیشے میں دن تمام ہو جاتا ہے
زنداں گھر، وقتِ شام ہو جاتا ہے
زرداروں سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف
شب کا سونا حرام ہو جاتا ہے

زاو سفر ساتھ نہیں

(135)

اخلاقی رہائی

اندیشہِ باطل سحر و شام کیا
 حقیقی کا نہ ہائے، کچھ سر انجام کیا
 ناکام چلے جہاں سے افسوس، انیس!
 کس کام کو یاں آئے تھے، کیا کام کیا!

سچ کا رواج نہیں

(136)

اخلاقی رہائی

کس بات میں کید کس میں تزویر نہیں
 جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
 اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
 مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

اخلاقی رہائی (137) دنیا عملیہ مصیبت کی جگہ ہے

اندوہ و الم سے کب یہ جاں بچتی ہے
 نہ قلب نہ روح ناتواں بچتی ہے
 یوں سنگ دلوں میں رہ کے جان اپنی بچا
 جس طرح کہ دانتوں سے زباں بچتی ہے

اخلاقی رہائی (138) انکساری و عجز

ٹھوکر بھی نہ ماریں گے اگر خود سر ہے
 زردار کو بھی فروتنی بہتر ہے
 ہے میوہ نخل قد انسان تسلیم
 جھکتی ہے وہی شاخ جو بار آور ہے

قناعت

(139)

اخلاقی رہائی

کس زیت پہ میل مال و اسباب کریں
 کیوں بزرگی ہوس میں دل کو بے تاب کریں
 اک پارہٴ ناں کے لیے لاجول و لا
 اس کو ہر آبرو کو بے آب کریں

آئی تلو کدہ پاٹ کدہ میان ہے

(140)

اخلاقی رہائی

دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے
 پامال ہے جو عاقل و فرزاندہ ہے
 مابین زمین و آسمان یوں ہم ہیں
 جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

اخلاقی رہائی (141) بخیل دنیا آخرت میں بھی بدبخت ہے

دولت سے نہ کچھ لطف و مزہ پاتے ہیں
کھانے میں فقط چرخ کا غم کھاتے ہیں
دنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیس
مہمان اجل آئے تو مر جاتے ہیں

اخلاقی رہائی (142) دولت خن

انساں ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحب چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں خن، تو بتلائے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

دولت تصوف

143

اخلاقی رہائی

دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زر دے
جو باعثِ آبرو ہے وہ گوہر دے
شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل
پاؤ رب! مجھے نانِ خشک و چشم تر دے

محنت سرخ روئی کا راز ہے

144

اخلاقی رہائی

جو سو خرمن سے خوشہ چیں ہوتا ہے
وانائے جہاں وہ نکلتے ہیں ہوتا ہے
مت نہیں نام نیک، بے کاہشِ جاں
کشتا ہے عقیق تب نکلیں ہوتا ہے

اخلاقی رہائی (145) مسان کی خدمت خدا کی خدمت ہے

مہمان کی عزت میں بڑی عزت ہے
ہر اک دانے میں خلد کی نعمت ہے
ہے پیشِ خدا جلیل وہ مثلِ خلیل
کیا عزت و توقیر ہے کیا عظمت ہے

اخلاقی رہائی (146) کم خشی عیب پوشی کی مامن ہے

کہہ دے کوئی عیب جو، سے سرگوشی میں
ڈھنپ جاتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں
دامن ہے چراغِ فکر کو جنبش لب
یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں

دولت فقیر

(147)

اخلاقی رہائی

گر ہاتھ میں زر نہیں، تو کچھ باک نہیں
 موجود کفن تو ہے جو پوشاک نہیں
 کہنے کو ہے خاک و آتش و آب و ہوا
 یاں گردِ کدورت کے سوا خاک نہیں

دل کی سیاہی تمام عمر ہی

(148)

اخلاقی رہائی

تا چرخِ فغان صبحِ گاہی نہ گنی
 چہرے سے کبھی گردِ تباہی نہ گنی
 سب ریش سفید ہو گئی آہِ انیس
 پر اک سرِ مو دل کی سیاہی نہ گنی

اخلاقی رہائی (149) غرض دلی دشمن کو دوست کر دیتی ہے

برعکس ہے گر خاک میں مل مل جائے
اس طرح ملے بشر کہ دل مل جائے
اُلفت کو بھی کیا خدا نے بخشا ہے
جنگل کا جو وحشی ہو، تو ہل مل جائے

اخلاقی رہائی (150) سیاہ قلبی دل کی تباہی ہے

ہے مہکت جسم میں شاہی دل کی
کچھ تو نے نہ دوستی نہا ہی دل کی
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

اخلاقی رہائی (151) خود ستائی ترقی روکتی ہے

تعریف پر اپنی کیوں تجھے غرہ ہے
خورشید نہ بن خاک کا تو ذرہ ہے
کچھ پھل نہ ملے گا سینِ تحسین سے انیس
یہ نخل ترقی کے لیے اڑہ ہے

اخلاقی رہائی (152) دولت فقر

یہ اوج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے
یہ دلقِ سمیرقع امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولت فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے

انہیں نہ ہونے کی حالت میں رہا ہے

(153)

اخلاقی رہائی

یہ حرص جو لے کے جا بجا پھرتی ہے
 پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے
 فریاد کناں ۱۱ برائے ہر دانہ رزق
 یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

گناہوں سے توبہ

(154)

اخلاقی رہائی

جب دیکھیں گی احوال قیامت آنکھیں
 کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں
 کہتی ہے زبان دہن میں کچھ عذر تو کر
 رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

دولت فقر

(155)

اخلاقی رہائی

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں
 گر زر کی ہوس نہ ہو، ابوذر ہو جائیں
 نوابی و شاہی نہیں درکار انیس
 گر سب رمق ملے سکندر ہو جائیں

عدل و انصاف کا قیام

(156)

اخلاقی رہائی

کچھ فرق کلام کہنے و ٹو میں نہیں
 منصف ڈھونڈوں تو ایک بھی سو میں نہیں
 تھا یوں نہ کبھی گوہر مضمون بے قدر
 انصاف، فلک! تیری قلم رو میں نہیں

اخلاقی رہائی (157) دنیا شکار گاہ ہے

انساں ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشہ آشیاں و خوفِ صیاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

اخلاقی رہائی (158) پاکیزگی قلب مشکل کام ہے

اُلفت ہے نہ پاس ربطِ دیرینہ ہے
منہ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے
گر کیجیے امتحاں تو قلعی کھل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

اخلاقی رہائی (159) اچھے لوگوں کی پہچان

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں
 حاسد جو بُرا کہے تو چپ رہتے ہیں
 اچھے تو بُروں کو بھی کہتے ہیں نیک
 جو بد ہیں وہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

اخلاقی رہائی (160) خوش دلی خاکساری ہے

منی سے بنا ہے، دل کو تو سنگ نہ کر
 ہر بات پہ معترض نہ ہو، جنگ نہ کر
 منظور اگر ہے جاؤ لوں میں اے دوست!
 بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

اخلاقی رہائی (161) توبہ بخشش کی کلید ہے

عصیاں سے ہوں شرمسار، توبہ یارب!
کرتا ہوں میں بار بار توبہ، یارب!
نہ جرم کا پایاں، نہ گناہوں کا شمار
اک توبہ تو کیا، ہزار توبہ یارب!

اخلاقی رہائی (162) قبر میں صرف اعمال جاتے ہیں

احباب سے اُمید ہے بیجا مجھ کو
اُمید عطاءئے حق ہے زیبا مجھ کو
کیا ان سے توقع کہ میانِ مرقد
چھوڑ آئیں گے اک روز یہ تنہا مجھ کو

اخلاقی رہائی (163) ایمان یقین کی منزل ہے

کس منہ سے کہوں میں کہ خوش انجام ہے تو
کامل ہیں کامیاب، ناکام ہے تو
پختہ دانہ زمیں سے اُگتا ہے انیس
سرسبز ہو کیونکر کہ ابھی خام ہے تو

اخلاقی رہائی (164) آلودگی دنیا

افسوس یہاں سے نہ سبک بار چلے
ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے
دنیا میں تو بے گناہ آئے، واں سے
یہ کیا ہے کہ عقبی میں گنہ گار چلے

گوشہ نشینی

165

اخلاقی رہائی

سر کھینچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح
ہر ایک سے جھک قوس خمیدہ کی طرح
منظور نظر ہے جو حفاظت اپنی
ہو گوشہ نشیں مردم دیدہ کی طرح

تہمت

166

اخلاقی رہائی

برباد گراں جنس کو بے قول نہ کر
تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک ناں ہے انیس دست دو نان سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

کدورت قلب

(167)

اخلاقی رہائی

افسوس یہ عصیاں، یہ تباہی دل کی
کی خوب انیس خیر خواہی دل کی
نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید
بڑھتی گئی ان رات سیاہی دل کی

بے ثباتی دنیا

(168)

اخلاقی رہائی

دنیا میں کسی کا نہ سہارا دیکھا
بچنے کا نہ غم سے کوئی چارا دیکھا
کچھ بخت ہمارے ہی نہیں سرگشتہ
گردش میں فلک کا بھی ستارا دیکھا

بے ثباتی دنیا

(169)

اخلاقی رہائی

پُرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے
 ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
 شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا
 رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

بے ثباتی دنیا

(170)

اخلاقی رہائی

چل جلد اگر قصدِ سفر رکھتا ہے
 تو کچھ بھی مال کی خبر رکھتا ہے
 راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس
 جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

اخلاقی رہائی (171) بے ثباتی دنیا

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے
آفت میں پھنسے، دامِ بلا میں آئے
اس طرح عدم سے آئے دنیا میں ائیس
جیسے کوئی کارِ داں سرا میں آئے

اخلاقی رہائی (172) بے ثباتی دنیا

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے
مانندِ حبابِ ہستیِ انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفسِ بادِ مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

بے ثباتی دنیا

(173)

اخلاقی رہائی

کر عجز اگر عاقل و فرزانه ہے
 دانائی پہ پھولا ہے تو دیوانہ ہے
 تسبیح کے دانوں پہ نظر کر ناداں
 گردش میں سدا رہتا ہے جو دانہ ہے

بے ثباتی دنیا

(174)

اخلاقی رہائی

ہر چند زمیں پست فلک عالی ہے
 پر اُس میں نصیب کس کو خوش حالی ہے
 ہے چرخ کہن شیشہٴ ساعت گویا
 ہے خاک ادھر اور ادھر خالی ہے

بے ثباتی دنیا

(175)

اخلاقی رہائی

غفلت میں نہ کھو عمر کہ پچھتائے گا
 رونا ہی غمِ شاہ میں کام آئے گا
 اسبابِ تعلق سے نہ بھر دل اپنا
 چلتے ہوئے سب کچھ یہیں رہ جائے گا

بے ثباتی دنیا

(176)

اخلاقی رہائی

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
 راحت سے کوئی، اور کوئی فریادی ہے
 اک عشرت و غم کا ہے مرقعِ دنیا
 ماتم ہے کسی جا، تو کہیں شادی ہے

اخلاقی رہائی (177) بے ثباتی دنیا

ہر دم مجھے سامنا صعوبات کا ہے
اندیشہ و اضطراب دن رات کا ہے
تنہا میں، فلک کجی پہ، خلقت دشمن
ہاں گر ہے تو آسرا تری ذات کا ہے

اخلاقی رہائی (178) بے ثباتی دنیا

کیوں آج دلا! خیال فردا نہ کیا
بھولا جو برے وقت کو اچھا نہ کیا
پیدا کیا سب کچھ تو، مگر آہ انیس!
زاد سفر مرگ، مہیا نہ کیا

بے شہابی دنیا

(179)

اخلاقی رہائی

ضایع نہ کر آغوش کے پالے دل کو
 کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
 درکار اگر ہے زائد راہِ عقبی
 سب چھوڑ کے، دنیا سے اٹھالے دل کو

بے شہابی دنیا

(180)

اخلاقی رہائی

غفلت میں نہ کھو عمر جہاں فانی ہے
 کچھ خیر تو کر لے وہی کام آئی ہے
 کارِ امروز را بفردا نہ گزار
 جو رہ گیا آج کل پشیمانی ہے

بے ثباتی دنیا

(181)

اخلاقی رہائی

جو شے ہے فنا، اُسے بھا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم، اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحر جہاں میں عمر مانندِ حباب
عافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

بے ثباتی دنیا

(182)

اخلاقی رہائی

کانوں میں سدا حرفِ پریشانی ہے
دیکھا جدھر آنکھ اٹھا کے ویرانی ہے
مشہور علاجِ دردِ سر ہے صندل
یاں خاکِ لحدِ صندلِ پیشانی ہے

بے ثباتی دنیا

(183)

اخلاقی رہائی

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں
جز تیرا کرم، کچھ اور درکار نہیں
مجھ سا نہیں عالم میں گنہ گار اگر
تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں

بے ثباتی دنیا

(184)

اخلاقی رہائی

ڈھونڈوں تو نہ صورتِ بحالی نکلے
کیا ورطہ غم سے طبعِ عالی نکلے
سو بار بھروں تو شورِ بخت ایسا ہوں
دریا سے مرا جام بھی خالی نکلے

بے ثباتی دنیا

185

اخلاقی رہائی

جس شخص کو عقبی کی طلب گاری ہے
 دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
 اک چشم میں کس طرح سائیں دونوں
 غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

بے ثباتی دنیا

186

اخلاقی رہائی

ایذا سے نہ کوئی اُس میں اصلاً چھوٹا
 ادنیٰ چھوٹا، نہ کوئی اعلیٰ چھوٹا
 دنیا کا بھی زنداں ہے عجب مہلک و سخت
 جس میں پھنس کر نہ کوئی بندا چھوٹا

بے ثباتی دنیا

(187)

اخلاقی رہائی

آنکھیں کھولیں، مگر یہ پردا نہ کھلا
سب ہم پہ کھلا، پہ حال دنیا نہ کھلا
دریاے تفکر میں رہے برسوں غرق
مانندِ حباب یہ معما نہ کھلا

بے ثباتی دنیا

(188)

اخلاقی رہائی

دنیا سے رہائی ہو یہ وہ جال نہیں
چھوٹے بھی جو مر کر تو پروبال نہیں
ظاہر بینوں کو کیا خبر باطن کی
آئینے میں عکسِ صورتِ حال نہیں

بے ثباتی دنیا

189

اخلاقی رہائی

جز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی
 پایا اُسے ویران، جو بستی دیکھی
 جو فیل نشیں تھے کل، پیادہ ہیں وہ آج
 دنیا کی بلندی میں یہ پستی دیکھی

بے ثباتی دنیا

190

اخلاقی رہائی

دنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ
 اے پختہ مزاجو! طمع خام ہے یہ
 ہاں سوچ کے پاؤں اس زمیں پہ رکھیو!
 چھٹا نہیں پھنس کے جس میں وہ دام ہے یہ

بے ثباتی دنیا

(191)

اخلاقی رہائی

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جا کے نہ آئے، وہ جوانی دیکھی

بے ثباتی دنیا

(192)

اخلاقی رہائی

غافل وہ ہے جو عاقبت اندیش نہیں
وہ کون سا نوش ہے جو بے نوش نہیں
جاتے ہیں جہاں سے لوگ آگے پیچھے
افسوس کہ کچھ تجھ کو پس و پیش نہیں

بے ثباتی دنیا

193

اخلاقی رہائی

راحت کا مزا عدوے جانی نکلا
 دل سے نہ کبھی غم ٹھانی نکلا
 پیاسے رے آکے چاہِ دنیا پہ، انیس!
 نکلا بھی کبھی، تو شورِ پانی نکلا

پیری-ضعف

194

اخلاقی رہائی

ہشیار کہ وقتِ ساز و برگ آیا ہے
 ہنگامِ بَخ و برف و گمرگ آیا ہے
 محتاجِ عصا ہوئے تو پیری نے کہا
 چلیے اب چوبِ دارِ مرگ آیا ہے

اخلاقی رہائی (195) پیری-ضعف

دل سے طاقت بدن سے گس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

اخلاقی رہائی (196) پیری-ضعف

پیری آئی عذار بے نور ہوئے
یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

اخلاقی رہائی (197) چیری-ضعف

چیری سے خاک مہ بانی نہ ہوئی
وقت آخر بھی کامرانی نہ ہوئی
یوں توڑتا دم کہ دیکھنے آتے لوگ
افسوس ہے اس وقت جوانی نہ ہوئی

اخلاقی رہائی (198) چیری-ضعف

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے؟
چیری میں یہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
ختم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

چیری-ضعف

199

اخلاقی رہائی

آزادی میں آفتِ اسیری آئی
شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی
ایامِ شب کس کو کہتے ہیں انیس
موسمِ طفلی کا تھا کہ چیری آئی

چیری-ضعف

200

اخلاقی رہائی

پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردہ ہے یہی
منزل ہے یہی، بشر کا مادہ ہے یہی
انگشت سے ہر بار یہ کہتا ہے عصا
اے پیرِ زمیں گیر تری جا ہے یہی

پیری-ضعف

(201)

اخلاقی رہائی

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
 کھانے کی نہ لذت، نہ مزا پانی کا
 مر رہے کسی دشت کے دامن میں انیس!
 پردہ ہے یہی جامہ عریانی کا

پیری-ضعف

(202)

اخلاقی رہائی

پیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے
 ہر موئے بدن وبال ہو جاتا ہے
 دنیا میں کمال کو بھی آخر ہے زوال
 جب بدر گھٹا ہلال ہو جاتا ہے

اخلاقی رہائی (203) پیری-ضعف

راتیں نہ وہ اب ہوں گی، نہ خواب آئے گا
آیا بھی تو زیست کا جواب آئے گا
اُٹھو، اب انتظار کس کا ہے، انیس!
نے عمر پھرے گی، نہ شباب آئے گا

اخلاقی رہائی (204) پیری-ضعف

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا
اے عمرِ دراز! خوب سن دکھلایا
ہلتا ہے جو سر، تو کہتے ہیں موئے سپید
راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا

پیری - ضعف

(205)

اخلاقی رہائی

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر
دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید
ہے صبحِ اجل کُوج کی تیاری کر

پیری - ضعف

(206)

اخلاقی رہائی

جب اٹھ گیا سایہ جوانی سر سے
پھر ہوگی جدا نہ سرگرائی سر سے
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیس
جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

اخلاقی رہائی (207) پیری-ضعف

جب تک ہے جواں، سیر ہے نظارہ ہے
پیری سے بھلا بشر کا کیا چارہ ہے
جھک جائے سوئے زمیں نہ کیونکر قد راست
اک روح پہ یہ خاک کا پشتارہ ہے

مخلاتی رہائی (208) موت-قانی دنیا

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا
مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو، رختِ ثو پہن کر غافل
اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

اخلاقی رہائی (209) موت- فانی دنیا

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے!
اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے!
تھا کون سا نخل، جس نے دیکھی نہ خزاں؟
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے!

اخلاقی رہائی (210) موت- فانی دنیا

طفلی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اخلاقی رہائی (211) موت - قافی دنیا

سینے میں یہ دم شمع سحرگاہی ہے
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے تنہی قافلے سے رہتا نہ انیس
اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے

اخلاقی رہائی (212) موت - قافی دنیا

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں
احوال یہ گوگو ہے، کہنے کا نہیں
آمادہ کوچ رہ جہاں میں غافل
ہشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

اخلاقی رہائی (213) موت-خالی دنیا

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق، وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے، انیس!
جب ہم نہ رہے، تو کچھ بکھیرا نہ رہا

اخلاقی رہائی (214) موت-خالی دنیا

کچھ عقل کی میزان میں تولنا نہ گیا
چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے، مگر آہ، انیس!
یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

اخلاقی رہائی (215) موت - فانی دنیا

دو دن کی حیات پر عبث غرہ ہے
خورشید نہ بن، خاک کا تو ڈرہ ہے
مردم کے نہالِ زندگانی کے لیے
یہ آمد و شد دم کی نہیں اڑہ ہے

اخلاقی رہائی (216) موت - فانی دنیا

آرام سے کس دن تیرا فلاک رہے
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں
افسوس نہ جب پختن پاک رہے

اخلاقی رہائی (217) موت - فانی دنیا

طے منزلِ وحشت و محن ہونی ہے
فرقت، بینِ روح و تن ہونی ہے
کیوں نامِ کفن سن کے لرزتا ہے انیس
اک دن یہ قبا زیبِ بدن ہونی ہے

اخلاقی رہائی (218) موت - فانی دنیا

دل بُت سے اٹھا کے حق پرستی کیجیے
بے تنجِ انیس قطعِ ہستی کیجیے
آخر اک دن یہ پاؤں ہوں گے بیکار
بہتر ہے یہی کہ پیشِ دستی کیجیے

اخلاقی رہائی (219) موت - فانی دنیا

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اک سورہ الحمد کے محتاج ہیں وہ

اخلاقی رہائی (220) موت - فانی دنیا

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
غافل تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

موت۔ فانی دنیا

(221)

اخلاقی رہائی

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے
 اس زیت پہ کیا حسد ہے کیا کینا ہے
 جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ
 احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

موت۔ فانی دنیا

(222)

اخلاقی رہائی

مجموعہ خاطر ان دنوں ابتر ہے
 جو رگ ہے بدن پہ رشتہ مسطر ہے
 معنی سے بھرا ہوا ہے دل شکل کتاب
 کیا غم ہے جو تن مثل قلم لاغر ہے

اخلاقی رہائی (223) موت - فانی دنیا

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو! کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

اخلاقی رہائی (224) موت - فانی دنیا

یاں آئے ملال و رنج سہنے کے لیے
دم بھر نہ ہوئے، امیر، کہنے کے لیے
محتاج کے محتاج اُسی طرح رہے
پائے تھے یہ ہاتھ خالی رہنے کے لیے

موت - ثانی دنیا

(225)

اخلاقی رہائی

کچھ چند و نصیحت نے بھی تاثیر نہ کی
 دُنیا کے کسی کام میں تاخیر نہ کی
 دن رات یہیں کے ساز و ساماں میں رہے
 جانا ہے کہاں کچھ اس کی تدبیر نہ کی

موت - ثانی دنیا

(226)

اخلاقی رہائی

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لیے
 انسان کا دل ہے داغ اٹھانے کے لیے
 بوڑھا ہو کہ نوجواں، غنی ہو کہ فقیر
 سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

اخلاقی رہائی (227) موت - فانی دنیا

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
 پیاناہ عمر ایک دن بھرنا ہے
 ہاں توشہ آخرت مہیا کر لے
 غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

اخلاقی رہائی (228) موت - فانی دنیا

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے
 اس باغ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے
 جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو
 پر جب نکلے بہ آبرو نکلیں گے

موت - قافی دنیا

(229)

اخلاقی رہائی

دل سے دنیا کے دلوے جاتے ہیں
 اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
 ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیس!
 بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

موت - قافی دنیا

(230)

اخلاقی رہائی

کچھ ملک عدم میں رنج کا نام نہ تھا
 معلوم ہمیں اپنا سر انجام نہ تھا
 آئے جو یہاں تو بس ہوا یہ ثابت
 اک موت سے ملنا تھا کوئی کام نہ تھا

موت۔ فانی دنیا

(231)

اخلاقی رہائی

دل میں غمِ یارانِ وطن لے کے چلے
اس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے
نقصاں کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل، آہ
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

موت۔ فانی دنیا

(232)

اخلاقی رہائی

گو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
لب خشک ہیں چشم تر ہے، خاموش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا
مانند حبابِ خانہ بردوش ہوں میں

موت۔ فانی دنیا

233

اخلاقی رہائی

شاہوں کا وہ تحت و علم و تاج نہیں
یاں کچھ شرف غنی و محتاج نہیں
حسرت کی جگہ یہ ہے کہ اکثر اشخاص
کل تک انہیں لوگوں میں تھے اور آج نہیں

موت۔ فانی دنیا

234

اخلاقی رہائی

اک شعلہ نور بطور سے آیا ب
مژدہ جاں بخش دور سے آیا ہے
باندھو کمر آداب بجا لاکے انیس
فرمان طلب حضور سے آیا ہے

سوت - فانی دنیا

(235)

اخلاقی رہائی

ادبار کا کھٹکا چشم و جاہ میں ہے
 جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
 اُٹھو اُٹھو، یہ خوابِ غفلت کب تک
 دیکھو دیکھو اجل کیس گاہ میں ہے

قبر

(236)

اخلاقی رہائی

آغوشِ لحد میں جب کہ سوتا ہوگا
 جُز خاک، نہ تکیہ نہ پچھونا ہوگا
 تنہائی میں آہ! کون ہووے گا انیس
 ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

قبر

(237)

اخلاقی رہائی

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے
 آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
 نے دوست کا جھگڑا نہ کسی دشمن کا
 مرقد بھی عجب گوشے تنہائی ہے

قبر

(238)

اخلاقی رہائی

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا
 گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا
 بالمش سے سروکار نہ بستر سے غرض
 اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

قبر

(239)

اخلاقی رہائی

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے
تہا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے
کوئی نہ شریکِ حال ہوگا اپنا
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

قبر

(240)

اخلاقی رہائی

اُس ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے
اب جائیں کہاں؟ اجل کے بس میں آئے
گھر سے نکلے تو کنجِ مرقد پایا
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

اخلاقی رہائی (241) قبر

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری
کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری
اے کنجِ لحد کے سونے والو! افسوس!
کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گزری

اخلاقی رہائی (242) قبر

نے آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی
آواز علیٰ علی کی ہاں نکلے گی
جس طرح نگہ چشم سے باہر ہو انیس
یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

قبر

(243)

اخلاقی رہائی

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے
 دولت نہ گنی ساتھ نہ اطفال گئے
 پہنچا کے لحدِ تلک پھر آئے احباب
 ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

قبر

(244)

اخلاقی رہائی

ہر چند کہ ہے بلند پایہ سر کا
 پر حیف ہوا تمام مایہ سر کا
 کہتی ہے یہ پشتِ خم کہ چل سوئے لحد
 گرتا ہے ترے پاؤں پہ سایہ سر کا

قبر

(245)

اخلاقی رہائی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
 رُخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
 کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر!
 میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

قبر

(246)

اخلاقی رہائی

دنیا سے کوئی دم میں سفر تیرا ہے
 نے مال نہ فرزند نہ زر تیرا ہے
 آغازِ عمارت کی عبث ہے تجھے فکر
 انجام کو دیکھ، قبر گھر تیرا ہے

قبر

(247)

اخلاقی رہائی

محبوب کو ہم کنار بھی دیکھ لیا
 ٹربت دیکھی، فشار بھی دیکھ لیا
 بے مہری آسماں کے شاکی تھے بہت
 صد شکر، زمیں کا پیار بھی دیکھ لیا

قبر

(248)

اخلاقی رہائی

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے
 آرام انجھی قبر میں کرنا ہے تجھے
 رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں انیس
 اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

قبر

(249)

اخلاقی رہائی

درد و الم ممت کیوں کر گزرے
 یہ چند نفس حیات کیوں کر گزرے
 مرنے کا تو دن گزر گیا، شکر انیس
 اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

قبر

(250)

اخلاقی رہائی

جب دایر فنا سے جان کھوتا ہوگا
 میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
 عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیس!
 کیا گزرے گی، جب قبر میں سونا ہوگا

اخلاقی رہائی (251) قبر

اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے
لے زاوِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مرمر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک
یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

اخلاقی رہائی (252) قبر

خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے
راحت کی طلب، نہ چین کی خواہش ہے
ہمدِ بیگانگی، مکاں گوشہٴ قبر
بسترِ یہی خاک، ترکِ سرباش ہے

قبر

(253)

اخلاقی رہائی

فردوس ہر اک قبر کا کونا ہوگا
محمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
راحت دنیا میں غیر ممکن ہے، انیس!
آرام سے ہاں، لحد میں سونا ہوگا

قبر

(254)

اخلاقی رہائی

بالوں پہ غبار شیب ظاہر ہے اب
ہشیار انیس تو مسافر ہے اب
پیدا ہے پیدی سحر چری کی
لے خواب سے چونک، رات آخر ہے اب

قبر

(255)

اخلاقی رباعی

اب زمرِ قدمِ لحد کا باب آہنچا
 ہشیار ہو جلدِ وقتِ خواب آہنچا
 پیری کی بھی دوپہر ڈھلی، آہ انیس!
 ہنگامِ غروبِ آفتاب آہنچا

قبر

(256)

اخلاقی رباعی

جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے
 یارانِ وطن پھر، نہ وطن ملتا ہے
 اسبابِ جہاں سے دیکھ تو اے غافل
 مٹی ملتی ہے اور کفن ملتا ہے

قبر

(257)

اخلاقی رہائی

ہر اوج کو ایک روز پستی ہوگی
اپنی کسی ویرانے میں بستی ہوگی
ہے کون جو مینہ اشکوں کا برسائے گا
حسرت مری تربت پہ برستی ہوگی

ریاضت شاعری - مرق ریوی

(258)

ذاتی رہائی

کیا جایے صبر و تاب کہتے ہیں کسے
آرام ہے کیا، شباب کہتے ہیں کسے
پھٹکتا رہتا ہوں تا سحر صورت شمع
آگاہ نہیں کہ خواب کہتے ہیں کسے

بخشش

(259)

ذاتی رہائی

بخشش میں غمِ شاد کو کافی پایا
 ثُربت میں بھی لطفِ سینہ صافی پایا
 دوزخ کیسا دکھا کے داغوں کا چراغ
 ہم نے پروانہ معافی پایا

تعارف-تعلیٰ-شرف

(260)

ذاتی رہائی

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا
 ظنِ علم صاحبِ معراج ملا
 منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا علم
 اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

تعارف - تعلیٰ

(261)

ذاتی رہائی

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے
 ناداں یہ کسے فریب تو دیتا ہے
 لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیس
 خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

تعارف - تعلیٰ

(262)

ذاتی رہائی

کس دن فرسِ خامہ تنگ و دو میں نہیں
 مجھ ، ابھی یہ بخت کوئی سو میں نہیں
 ہرچند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ خن
 پر غیر دوات کچھ قلمرو میں نہیں

تعارف - تعلیٰ

(263)

ذاتی رہائی

آئینہ ہے سب حال وہ حیراں ہوں میں
 خاطر ہے جمع، گو پریشاں ہوں میں
 مردم کی پلک بلی کہ مطلب سمجھا
 ہر اک کی نگاہ کا زبانداں ہوں میں

تعارف - تعلیٰ - مشق سخن

(264)

ذاتی رہائی

ہشیار ہے سب سے باخبر ہے جب تک
 بیدار ہے، عالم پہ نظر ہے جب تک
 پیدا ہے صریر کلک سے یہ آواز
 کر فکر سخن، زبان تر ہے جب تک

تعارف-تعلیٰ

(265)

ذاتی رہائی

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے
جرات واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زباں
تکوار ضروری ہے سپاہی کے لیے

تعارف-تعلیٰ-قدردانی احباب

(266)

ذاتی رہائی

ہر بند پہ ذاکر کو صلا دیتے ہیں
ہر شعر کی داد جا بجا دیتے ہیں
کیا جانے کالموں پہ کیا ہو گا لطف
مجھ سے ناقص کا دل بڑھا دیتے ہیں

ذاتی رہائی (267) تعارف-تعلقی-شیریں بیانی

کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ خن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر، کہ شیریں ہوں میں

ذاتی رہائی (268) تعارف-تعلقی-قادر الہیانی

مداح شہہ یثرب و بطحا ہم ہیں
بر عیب و غرور سے مبرا ہم ہیں
گو دل میں ہزاروں دُر مضمون ہیں مگر
خاتوشِ بسانِ لبِ دریا ہم ہیں

ذاتی رہائی (269) تعارف۔ تعلق

باندھے ہوئے گوہرِ سخن لائے ہیں
بازار جو بند ہے تو شرمائے ہیں
کہتے تھے یہ روزِ جنس لینے والے
جب اٹھ گئے جوہری تو ہم آئے ہیں

ذاتی رہائی (270) تعارف۔ تعلق

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے

ذاتی رہائی (271) تعارف۔ تعلق۔ گل چانی

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اک نعرۂ آفرین و تحسین ہو جائے
جھڑتے ہیں دہن سے پھول لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہو جائے

ذاتی رہائی (272) تعارف۔ تعلق۔ قادر الباقی

ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے
پیری ہے پہ ذہن میں وہی تیزی ہے
گرتے جاتے نہیں یہ دندان انیس
تاحال زباں کو شوقِ در ریزی ہے

ذاتی رہائی (273) تعارف۔ تعلیٰ۔ خوشبو کے کلام

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے
عطر عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیم زلفِ ہمشکلِ رسولؐ
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

ذاتی رہائی (274) تعارف۔ تعلیٰ

ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے
بیگانہ و آشنا ہیں بارے سب سے
دریا سے ملے ہوئے ہیں مثلِ ساحل
پھر دیکھیے گر تو ہیں کنارے سب سے

ذاتی رباعی (275) تعارف-تعلیٰ-جاودانہ کلام

ہاں، بعدِ فنا سخنِ نثار ہے میرا
دنیا میں یہ باغِ بے خزاں ہے میرا
تاحشر رہے گا نام اس سے روشن
ہر شعر چراغِ دودماں ہے میرا

ذاتی رباعی (276) تعارف-تعلیٰ-دیدہ ریحی

ہر شب تکلیفِ جاں کنی ہوتی ہے
تب مدحِ امامِ مدنی ہوتی ہے
بے سوز و گداز کب سخن کو ہو فردغ
جب شمعِ گھلے تو روشنی ہوتی ہے

ذاتی رہائی (277) تعارف-تعلیٰ - قادر الکلامی

فرست نہ ذرا چشم کو اک پل بھر دوں
ہو جائیں پہاڑ غرق، جنگل بھر دوں
کیا ابر مقابلہ کرے گا میرا
دم بھر روؤں! اگر تو جل تھل بھر دوں

ذاتی رہائی (278) تعارف-تعلیٰ

مضمون گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیس
ہم اُس کو نظر آئیں گے جو پینا ہے

ذاتی رہائی (279) تعارف-تعلقی

مشکِ ختنِ نظم کہاں بند کروں
 مہکے گا یہ آپ اس کو جہاں بند کروں
 ہیں نافہ کشائے سخن اس بزم کے لوگ
 دل ان کے کھلیں کب جو زباں بند کروں

ذاتی رہائی (280) تعارف-تعلقی-نکتہ دانی

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے
 غرہ بلبِل کو خوش بیانی کا ہے
 خالِ رُخ اکبر کی جو کی ہے توصیف
 دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

ذاتی رہائی (281) تعارف - تعلی - لطف سخن

لفظوں میں نمک سخن میں شیرینی ہے
دعوائے ہنر، نہ عیب خود بینی ہے
مذاح گل گلشن زہراً ہم ہیں
غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے

ذاتی رہائی (282) تعارف - تعلی - روزِ مَرا

بے جا نہیں مدحِ شہدہ میں غزا میرا
بھرتی سے کلام ہے مَرا میرا
مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سن کے روزِ مَرا میرا

ذاتی رہائی (283) تعارف - تعلق - حسن بیان

تاباں فلکِ سخن کے تارے ہم ہیں
ممتاز اسی شرف سے بارے ہم ہیں
ہر چند ہے حسنِ سخن اُس پر موقوف
پر قافیے کی طرح کنارے ہم ہیں

ذاتی رہائی (284) تعارف - تعلق - عاطفہ بند ہیں

گلہائے مضامین کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعثِ نغمہِ سنجی بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں

ذاتی رہائی (285) تعارف-تعلیٰ-مذہبی

رُتبہ نہ ہو کیوں نظم میں برتر میرا
مذہبی فتنہ ہے جوہر میرا
ممکن نہیں بعد مرگ بھی قطعِ سخن
خامے کی طرح اگر کئے سر میرا

ذاتی رہائی (286) تعارف-تعلیٰ

کانپا نہ جگر، نہ دل نہ چہرا اُترا
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا
ساحل پہ جس کے ٹھہرے یارِ قدم
دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

ذاتی رہائی (287) تعارف-تعلیٰ-شیریں بیانی

نے مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے
باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے
شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو
ہے طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

ذاتی رہائی (288) تعارف-تعلیٰ-تخلیل ہمدرد الفاظ میں

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں
مانند نگہ، بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں، مرغِ معانی بچ کر
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

تعارف-تعلیٰ

(289)

ذاتی رہائی

پروا متیج زباں کو بجنے کی نہیں
 حاجت طہلِ سخن کو بجنے کی نہیں
 دُربار ہے ہر طبع لیکن ہوں خموش
 عادت ہے برسنے کی گرجے کی نہیں

تعارف-تعلیٰ-ریاضت

(290)

ذاتی رہائی

دل روز بروز ناتواں رہتا ہے
 مضمونِ سبک دل پہ گراں رہتا ہے
 ہر آن گھلاتی ہے مجھے فکرِ سخن
 تن مثلِ قلم صرف زباں رہتا ہے

ذاتی رہائی (291) تعارف-تعلقی

کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ، کیا کیا اُترا
پر نقشہ نہ اُلفتِ علی کا اُترا
جب ہوش میں آ کے تھم گئی طبعِ انیس!
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

ذاتی رہائی (292) تعارف-تعلقی

مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا
اُترا بھی، تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی
تصویر نہ کھنچ سکی، تو چہرا اُترا

تعارف۔ تعلق

(293)

ذاتی رہائی

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو
 ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو
 اندازِ کلامِ حق سمجھتا ہے کلیم
 موسیٰ سے رموزِ لن ترانی پوچھو

تعلق۔ معجز بیانی

(294)

ذاتی رہائی

ہو جاتی ہے سہل پیشِ دانا مشکل
 دل نے نہ کسی امر کو جانا مشکل
 مدحِ حق دین میں ہے گر دل کا یہ قول
 ہے بحرِ کا کوڑے میں سمنا مشکل

پل صراط

(295)

ذاتی رہائی

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے
تھڑاتا ہے کیوں انیس، پھر کیا ڈر ہے
کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط
شیر سا دنگیر یاں رہبر ہے

نیاری-سزا آخرت

(296)

ذاتی رہائی

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

سرمایہ بخشش

(297)

ذاتی رہائی

بخشش کے لیے مرثیہ خوانی ہے مری
غم کے لیے پیری و جوانی ہے مری
رونا ہے کبھی اور کبھی آپس بھرنا
اس آب و ہوا سے زندگانی ہے مری

پہاری-ہالین

(298)

ذاتی رہائی

جب نزع رواں سے جسم بے قابو ہو
لب پر تیرا ہو ذکر، دل میں تو ہو
ہر آہ میں ہو صدا کہ یا حی و قدیر
ہر سانس میں لا الہ الا هو ہو

پجاری-ہالین

(299)

ذاتی رہائی

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا
 پنہاں تن ناتواں کفن میں ہوگا
 اُس روز کریں گے یاد رونے والے
 جس دن نہ انیس انجمن میں ہوگا

پجاری-شفا

(300)

ذاتی رہائی

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے
 ہر درد میں خالق کا کرم: وافی ہے
 درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو
 امدادِ امامِ قل کفی کافی ہے

ذاتی رہائی (301) بلندئ کلام۔ صحتی آواز

اندازِ سخن تم جو ہمارے سمجھو
جو لطفِ کلام ہیں وہ سارے سمجھو
آواز گرفتہ گو ہے اس ذاکر کی
پہرہ روؤ اگر اشارے سمجھو

ذاتی رہائی (302) بیماری۔ بالین

بیمار کی بالیں پہ مسجائے
آقا آئے، ہمارے آقا آئے
عجلت کا محل ہے پیشوائی کے لیے
اے جان نکل علیٰ علی آئے

بیاری-خطابت

(303)

ذاتی رہائی

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے
کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے
یہ ہے غمِ شہیز کی تاثیر انیس
آوازِ خلق سوگ نشیں ہوتی ہے

ضعف-بیاری

(304)

ذاتی رہائی

دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں یا رب!
اب زیت کے دن نباہتا ہوں یا رب!
طالب زر و مال کے ہیں سب دنیا میں
میں تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں یا رب!

ضعف - بیماری

(305)

ذاتی رہائی

تن پر ہے عرقِ عجب تب و تاب میں ہوں
کیا جانے غش آگیا ہے یا خواب میں ہوں
اک سینہ سوزِ ناک و چشمِ نم سے
آتش میں کبھی ہوں اور کبھی آب میں ہوں

بجری - ضعف

(306)

ذاتی رہائی

ہر لمحہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جو میں انیس
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

ذاتی رہائی (307) پیری-ضعف

ہے سخت ملول طبعِ ناساز مری
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری
اللہ رے زورِ ناتوانی کا انیس
آوازہ مرگِ دل ہے آواز مری

ذاتی رہائی (308) پیری-ضعف

کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف
غمِ خود لے جائے شادمانی کی طرف
تیرا جو کرم ہو تو مثالِ میرِ نو
پیری سے پہنچ جاؤں جوانی کی طرف

پیری-ضعف

(309)

ذاتی رہائی

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں
دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پہ یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد
ہوتا ہے یقین کہ زندہ درگور ہوں میں

پیری-ضعف

(310)

ذاتی رہائی

کم زور ایسا کسی کو پیری نہ کرے
بلبل کا بھی یہ حال اسیری نہ کرے
رہ جاؤں زمیں پہ صورتِ نقشِ قدم
گر میری عصا بھی دھگیری نہ کرے

ذاتی رہائی

(311)

پیری-ضعف

آلودہ عبث اس غمِ جانکاه میں ہے
 زندہ ہے وہ دل جو یادِ اللہ میں ہے
 اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیس
 پہنچا کوئی منزل پہ، کوئی راہ میں ہے

ذاتی رہائی

(312)

پیری-ضعف

عقبے کے ہر اک کام سے ناکام ہے تو
 اس وقت میں بھی طالبِ آرام ہے تو
 اے وائے انیس پختہ کاری یہ تری!
 سب بال تو پک گئے، مگر خام ہے تو

پیری-ضعف

(313)

زبانی رہائی

عازمِ طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یا رب! ترا نامِ پاک چھپنے کے لیے
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

پیری-ضعف

(314)

زبانی رہائی

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی
مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو انیس کیا جوانی کے لیے
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

ضعفِ صدا

(315)

ذاتی رہائی

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
 پر تعزیہ دار شاؤ دیں ہے آواز
 نکلے نہ اگر کنجِ دہن سے تو بجا
 ماتم کے ہیں دن، سوگ نشیں ہے آواز

قدرِ سخن ہم

(316)

ذاتی رہائی

میزانِ سخنِ سنخ میں تلتا ہوں میں
 فکرِ گہرِ نظر میں گھلتا ہوں میں
 دل رہتا ہے بندِ قفلِ ابجد کی طرح
 جب حرفِ شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

مکر کیر

(317)

ذاتی رہائی

واحد ہے جو، عبد نیک نام اُس کا ہوں
یکتا ہے جو، مداح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس
قنبر کا جو مولاً ہے، غلام اُس کا ہوں

تعلیٰ - چٹک - ناقدری

(318)

ذاتی رہائی

ہم سے کوئی اہل کبر غرا تو کرے
ہر عیب سے آپ کو مہرا تو کرے
کیا فاختہ بچھے گی بھلا بلبل سے
صاف اپنا وہ پہلے روز مزا تو کرے

ذاتی رہائی (319) تعلق - چٹک - مضامین

کب دُزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دُزدانِ مضامین سے نجات
سچ ہے کہ گلس سے کب شکر بچتی ہے

ذاتی رہائی (320) تعلق - چٹک - مسودہ تقدیری

اعلیٰ سے نہ ہوگا کبھی اونٹنی بھاری
کھل جاتا ہے ذی قدر پہ ہلکا بھاری
حاسد سرکش ہے اور میں اُفتادۂ خاک
اب دیکھیے ہے کون سا پلّہ بھاری

تغنی - چالیں

(321)

ذاتی رہائی

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہیں جواشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ ری ترے خن کی تاثیر انیس
رو دیتے ہیں مثلِ شمع، جلنے والے

تغنی - اقرار

(322)

ذاتی رہائی

رونق دو بزمِ خوش بیانی ہم ہیں
رہکِ گل باغِ نکلتہ دانی ہم ہیں
فیضِ غمِ شادِ بحر و بر سے، لاریب
دُشمن ہے اگر آگ تو پانی ہم ہیں

ذاتی رہائی (323) تعلق سرور مضامین

کس دن مضمونِ نو کا نقشا اُترا
 پُر درد معانی کا نہ چہرا اُترا
 منبر سے ہم اُترے، نئے مضمون پڑھ کر
 اُن کے لیے گویا من ہا سلوا اُترا

ذاتی رہائی (324) ناقد ری زمانہ

نافہم سے کب داغِ خن لیتا ہوں
 دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہوں
 چھپتی نہیں بوے دوستانِ یک رنگ
 کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

ناقدریِ زمانہ

(325)

زاتی رہائی

ناقدریِ احباب سے حیراں ہوں میں
 آئینہ فروشِ شہرِ کوراں ہوں میں
 ہے اک نظرِ لطف ہماری قیمت
 مینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

ناقدری-حسادت

(326)

زاتی رہائی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
 لذت دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی
 اس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
 دوچار گھڑی بھی زیتِ مشکل ہوتی

تعلیٰ

(327)

ذاتی ربائی

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدح امامِ نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا
آقا! یہ شرف تیری غلامی کا ہے

خاکساری

(328)

ذاتی ربائی

دل کو آرام، بے قراری سے ملا
سینے کو سرور آہ و زاری سے ملا
گلزارِ جہاں میں سرفرازی پائی
یہ پھل مجھے نخلِ خاکساری سے ملا

ذاتی رہائی (329) خاک نشینی۔ اہمکاری

پستی میں ہے لطفِ ارجمندی مجھ کو
بھاتا نہیں عیبِ خود پسندی مجھ کو
عریاں ہوں لباسِ عاریت سے جوں سرو
ہے خاک نشینی میں بلندی مجھ کو

ذاتی رہائی (330) مقصدِ طولِ عمر

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری
یا رب! مجھے طولِ عمر دے تو، لیکن
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

وخطیفہ

(331)

ذاتی رہائی

ہے افسرِ دیں، تاجِ سکندر حیدر
 اور بعدِ نبیؐ سب سے ہے بہتر حیدر
 ہے تجھ سے دُعا مری یہ اے ربِّ غفور!
 جاری ہو مری زباں پہ حیدر حیدر

حضرت عباسؓ کی پناہ

(332)

ذاتی رہائی

اللہ اللہ عزّ و جاہِ ذاکر
 دربارِ حسینی میں ہے راہِ ذاکر
 پنچہ جو علم کا سرِ منبر ہے انیس
 ہے دستِ علمداڑ پناہِ ذاکر

جام کوڑ

(333)

ذاتی رہائی

جو بند کہا وہ نذرِ حیدر کے لیے
 جو بیت کہی وہ خلد کے گھر کے لیے
 اس گرمی میں مصروفِ عرق ریزی ہوں
 اک جامِ شرابِ حوضِ کوڑ کے لیے

راہِ مولانا

(334)

ذاتی رہائی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
 محبوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
 گر پاؤں چلیں تو راہِ مولانا میں چلیں
 یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

بجز واکساری

(335)

ذاتی رہائی

کچھ جس سے نہیں حصول وہ کشت ہوں میں
 قابل نہیں تعمیر کے وہ خشت ہوں میں
 ناچار، جو مولاً بھی شفاعت نہ کریں
 مشاطہ کا کیا گلہ کہ خود زشت ہوں میں

نصیب

(336)

ذاتی رہائی

گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے
 صحرا کا کروں عزم تو دریا ہو جائے
 موٹی کا عصا بھی ہاتھ آجائے اگر
 قسمت سے مری سوزن عیسیٰ ہو جائے

ذاتی رہائی (337) دنیا راحت کی جگہ نہیں

افسوس کہ چین مصطفیٰ کو نہ ملے
آرام علی مرتضیٰ کو نہ ملے
ہم لوگ کسی سے کیا توقع رکھیں
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ ملے

ذاتی رہائی (338) مدح سراہی

کیا ہو سکے، بحر طبع گو جوش پہ ہے
اک مہر سی گویا لب خاموش پہ ہے
کس طرح کروں قطع تری مدح کی راہ
پشتارہ گناہوں کا مرے دوش پہ ہے

ذاتی رہائی (339) قدر و قیمتِ خن

انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں خن، تو بتلائے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

ذاتی رہائی (340) جانشین کی سرکھیری۔ طلبِ ادا و ایم

سنے فریاد یا حسین ابنِ علی
دیکھتے مری داد یا حسین ابنِ علی
عالمِ غدار اور میں نحیف و زار
امداد امداد یا حسین ابنِ علی

قبر

(341)

ذاتی رہائی

ساقی شراب حوضِ کوثر حیدر
 حامی حیدر، شفیع محشر حیدر
 پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا
 میں قبر سے چلاؤں کہ حیدر حیدر

نذر

(342)

ساجی رہائی

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
 کیوں چرخ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا
 گردش کب تک، نکل چلو جلد انیس
 اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

ساجی رباعی

(343)

غدر-بربادی نکھنؤ

کیونکر دل غمزہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو یوں نفیم برباد کرے
مانگو یہ دُعا کہ پھر خداوندِ کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

ساجی رباعی

(344)

غدر-بربادی نکھنؤ

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اس سال
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

یہ رباعی نکھنؤ کی تباہی کے بعد کہی گئی۔ اس زمانے میں محرم برسات میں آیا تھا۔

سماجی رہائی

(345)

نہر-نہر

اے بادشہ کون و مکاں! اُدِر کئی
اے عقدہ کشائے دو جہاں! اُدِر کئی
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیس
یا حضرت صاحب الزماں! اُدِر کئی

سماجی رہائی

(346)

انقلاب زندگی

دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھا
آنکھوں سے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھا
طفلی و شباب و عیش و رنج و راحت
اس عمر نے انقلاب کیا کیا دیکھا

ساجی رہائی

(347)

در بدر کی بعد از غور

پوچھو نہ خبر کہ بے خبر ہیں اب تو
آوارہ وطن، خاک بسر ہیں اب تو
ماندِ تنگیں خاک نشیں تھے آگے
حلقے کی طرح سے در بدر ہیں اب تو

ساجی رہائی

(348)

نواب قتل حسین کی منعقدہ مجلس

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے، اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس
ملتی نہیں جا بزم میں بتل دھرنے کی

یہ رہائی 1857ء کی اٹھل کے بعد نواب قتل حسین شاہ کی بارہوری، بھنٹو کی مجلس میں انیس نے چڑھی تھی۔ جنگ آزادی کی افرا تفری کے باوجود مجلس میں بڑا مجمع ہوا۔ ملتی میر محمد عباس صاحب بھی شریک ہوئے تھے، اسی مجلس کی طرف اشارہ ہے۔

ساجی رہائی (349) مجلس مختار الملک

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں
علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں
مختار الملک و بندگانِ عالی
رحمت رحمت پہ، نور پر نور ہے یاں

ساجی رہائی (350) رحلت مرزا غالب دہلوی

گلزارِ جہاں سے باغِ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداحِ علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے
غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے

میر انجس نے یہ دہائی مرزا غالب کے انتقال پر کہی۔

ساجی رہائی (351) رحلت میر مہدی علی لکھنوی

صد حیف کہ یار جاودانی نہ رہا
 ہتیر کی مجلسوں کا بانی نہ رہا
 افسوس افسوس میر مہدی افسوس
 جیتے ہیں یہ لطف زندگانی نہ رہا

یہ رہائی میر انیس نے اپنے سہمی میر مہدی علی لکھنوی کی وفات سے متاثر ہو کر کہی تھی۔

ساجی رہائی (352) حیدر آباد کن

اللہ و رسول حق کی امداد رہے
 سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
 نواب ایسا رئیس اعظم ایسے
 یارب آباد حیدر آباد رہے

حالات نکھنر بعد از ندر

(353)

ساجی رہائی

انجام بخیر، ابتدا بگڑی ہے
 گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے
 کشتی سے انیس ہم کنارے ہو جائیں
 اُلٹا دریا بہا، ہوا بگڑی ہے

زیارت-نجف

(354)

اعتقادی رہائی

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
 مرقہ میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
 گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیس
 بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

اعتقادی رہائی (355) زیارت-نجف اکربا

اے بخت رسا سوئے نجف راہی کر
مجھ زار کو زائرِ یدِ الٰہی کر
لے جا سوئے کربلا مری مشتبہ غبار
اے بادِ صبا اتنی ہوا خواہی کر

اعتقادی رہائی (356) زیارت-نجف

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر، صد شکر
دربارِ ابوتراپ دیکھا ہم نے

اعتقادی رہائی (357) زیارت-نجف

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی
مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی
ماتا ہے قدم قدم پہ دُرِ مقصود
چھانے، تو نجف کی خاک چھانے کوئی

اعتقادی رہائی (358) زیارت-نجف

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنولِ دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد، عمر آخر ہے انیس
اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

استغادی ربائی (359) زیارت-نجف

کس شہر میں دُرِ مدعا ملتا ہے
 سختے ہیں نجف میں بارہا ملتا ہے
 سرکارِ علیؑ وہ ہے کہ ہر بندے کو
 دولت کیا مال ہے خدا ملتا ہے

استغادی ربائی (360) زیارت-نجف

دل میں ہو ترا درد تو درماں کیا ہے
 تو پیشِ نظر ہو تو گلستاں کیا ہے
 گر راہِ نجف میں لاکھ دریا ہیں تو ہوں
 گر عشقِ حرم ہو تو بیاباں کیا ہے

زیارت-نجف

(361)

اعتقادی رباعی

کیا فیضِ علی کے قدمِ پاک سے ہے
 روضے کی زمیں بلند افلاک سے ہے
 بنتا ہے وہاں دُرّ نجف، قطرۂ آب
 پانی کی بھی آبرو اُسی خاک سے ہے

زیارت-نجف

(362)

اعتقادی رباعی

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا
 جوہر معدن میں، دُرّ صدف میں ہوگا
 مشرق میں کہ مغرب میں اسے دفن کرو
 جو عاشقِ حیدر ہے نجف میں ہوگا

زیارت-نجف

(363)

اعتقادی رہائی

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیس
کیوں رک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

زیارت-نجف

(364)

اعتقادی رہائی

عصیاں بالکل ثواب ہو جاتا ہے
پریش سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
بہتی ہے شراب نو نجف میں سرکہ
جو زائرِ بوتراب ہو جاتا ہے

زیارت-نہف

(365)

اعتقادی رہائی

جبریل امیں کو فخر و ربانی ہے
حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمہ سلیمانی ہے

زیارت-نہف

(366)

اعتقادی رہائی

توفیق ثنائے شہِ دیں پاؤں میں
جس میں کہ ہے نام وہ نکلیں پاؤں میں
یارب! دل سے ہوں جس زمیں کا مشتاق
مر جانے پہ بھی قبر وہیں پاؤں میں

زیارت - نجف

(367)

اعتقادی ربانی

کل دل کو نہیں ہے آج کل، جائیں گے
 اب ہند سے گھبرا کے نکل جائیں گے
 ہاتھ آئے تو جادہ صراطِ ایماں
 گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

زیارت - نجف

(368)

اعتقادی ربانی

ظلمت کدو ہند میں کیا ملتا ہے
 نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
 صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
 دُر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

زیارت - نجف

(369)

اعتقادی رہائی

جو روضہ حیدر پہ مکیں ہوتا ہے
وہ داخل فردوسِ بریں ہوتا ہے
یوں ہوگا بہشت میں نجف کا طبقہ
جس طرح کہ خاتم پہ نغمیں ہوتا ہے

زیارت - کربلا

(370)

اعتقادی رہائی

یا زیست میں یا بعد فنا پہنچیں گے
یا اور ہے اگر بخت تو جا پہنچیں گے
کیا دن ہوں گے غار اس دن کے انیس
جس روز قریب کربلا پہنچیں گے

امتقادی رہائی (371) زیارت-کربلا

جو روضہ شامہ کربلا تک پہنچے
 بے شبہ و شک وہ مصطفیٰ تک پہنچے
 اللہ ری عز و شان زوارِ حسین
 پہنچے جو حسین تک، خدا تک پہنچے

امتقادی رہائی (372) زیارت-کربلا

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا
 بے سود، انیس! ہر دوا کو دیکھا
 ہر دور کے واسطے سرلیج التا شیر
 دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

اعتقادی رہائی (373) زیارت - کربا - خاکِ شفا

یا رب! یہ اثر مری دُعا میں مل جائے
 اک قبر جوارِ شہدا میں مل جائے
 صدقے میں ابوتراپ کے یا غفار
 یہ خاک مری خاکِ شفا میں مل جائے

اعتقادی رہائی (374) زیارت مرزا

مجبور ہوں جنت کے چمن والوں سے
 مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے
 یا رب وہ مکاں جلد دکھا دے مجھ کو
 جھاڑا ہے جسے فاطمہؑ نے بالوں سے

زیارت - کربلا

(375)

اعتقادی رہائی

یارب! مری میت کو زمیں پاک ملے
دلچسپ مکاں، قبر فرحناک ملے
یوں خاکِ شفا میں مر کے مل جاؤں انیس
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے

زیارت - کربلا

(376)

اعتقادی رہائی

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے
غربت میں کفیل اُس کا خدا ہوتا ہے
کیا خضر کی احتیاج اُسے، کعبے میں
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

زیارت - کربلا

(377)

اعتقادی رہائی

مرقد میں انیس نہ کفن میں ہوگا
وہ روضہ سلطانِ زمن میں ہوگا
چل کر گلزارِ کربلا میں ڈھونڈیں
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

زیارت - کربلا

(378)

اعتقادی رہائی

حاصل جو شہِ دیں کی حضوری ہو جائے
لاکھوں منزل ستر سے دوری ہو جائے
قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت
ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے

زیارت - کربلا

(379)

اعتقادی رباعی

یارب! کہیں جلد وہ زمانا ہووے
 بندہ سوئے کربلا روانا ہووے
 لیکن یہ دُعا ہے، یا مجیب الدعوات!
 جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

زیارت - مشہد مقدس

(380)

اعتقادی رباعی

جب دور سے ایوانِ عِلا کو دیکھا
 لااریب کہ عرشِ کبریا کو دیکھا
 سو بار کیا طوافِ کعبہ، اے دل!
 اک بار جو روضہٴ رضا کو دیکھا

اعتقادی رہائی (381) : ہم عزاء - مجلس عزاء

گلچیں تو بھلا چمن سنوارے ایسے
مجلس ایسی نبی کے پیارے ایسے
کہتی ہے زمیں کبھی نہ دیکھے ہوں گے
گردوں نے بھی گنجان ستارے ایسے

اعتقادی رہائی (382) : ہم عزاء - مجلس عزاء

ہے فصلِ عزاء، جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاء اللہ، چشمِ بددور! انیس
کیا مجمعِ مومنین ہے، کیا مجلس ہے

اعتقادی رباعی (383) بزم عزا۔ مجلس عزا

انس و ملک و حور کی مجلس یہ ہے
تاج سر جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گناہ کی سیاہی زائل
واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

اعتقادی رباعی (384) بزم عزا۔ مجلس عزا

تیر غم شہ سینے میں پیوستہ ہے
ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس مجلس میں
یہ بزم عزا خلد کا گلہستہ ہے

اعتقادی رہائی (385) بزمِ عزاء - مجلسِ عزاء

یہ بزمِ عزائے پیرِ زہرا ہے
 بیٹھو بہ ادب یاں گزیرِ زہرا ہے
 چادر سے ہر اک کے اشک کرتی ہیں پاک
 ہر چشم کے اوپر نظرِ زہرا ہے

اعتقادی رہائی (386) بزمِ عزاء - مجلسِ عزاء

ابنِ اسد اللہ کا دربار ہے یہ
 مجلس نہیں اک تختہ گلزار ہے یہ
 پہلے دُرِ اشک نذر کر لیں مومن
 پھر چاہیں سولیں نخی کی سرکار ہے یہ

اعتقادی رہائی (387) بزمِ عزرا - مجلس عزرا

اس بزم کی تعریف کا غل ہر سو ہے
ایک ایک عزادار شہرِ خوش ٹو ہے
یا رب رہے یہ باغِ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

اعتقادی رہائی (388) بزمِ عزرا - مجلس عزرا

اُلفت ہو جسے اُسے ولی کہتے ہیں
ایسوں کو سعیدِ ازلی کہتے ہیں
اس بزم میں دھوپ اٹھا کے آتے ہیں جو لوگ
ہنس کر طوبیٰ لکھم غلق کہتے ہیں

اعتقادی رہائی (389) یزوم عزرا۔ مجلس عزرا

رونے کے لیے روحِ رسولِ آتی ہے
کونین کی دولت ہمیں مل جاتی ہے
شیعہ کرتے ہیں جب دُعائیں مل کر
آئیں، آئیں، بتوں فرماتی ہے

اعتقادی رہائی (390) یزوم عزرا۔ مجلس عزرا

اک نور کا گھر شہ کا عزاخانہ ہے
آباد محبوں سے یہ کاشانہ ہے
کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری
جبریل اسی شمع کا پروانہ ہے

اعتقادی رہائی (391) بزم عزا۔ مجلس عزا

اس بزم کو جنگ سے جو خوش پاتے ہیں
رضواں لیے گلدستہ نور آتے ہیں
کیا صحن ہے گلشن عزائے شہید
پانی یہاں خضر آ کے چھڑک جاتے ہیں

اعتقادی رہائی (392) بزم عزا۔ مجلس عزا

حاضہ ہوں نہ کیوں حضور کی مجلس ہے
حقا کہ غیب ظہور کی مجلس ہے
دیکھو جدھر آنکھ اٹھا کے روشن ہے مکان
سبحان اللہ نور کی مجلس ہے

اعتقادی رہائی (393) ہزم عزرا - مجلس عزرا

مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر
احسان یہ سر پر، یہ قدم آنکھوں پر
ہے عین شرف خدمت احبابِ حسین
گو ہو نہ جگہ بٹھائیں ہم آنکھوں پر

اعتقادی رہائی (394) ہزم عزرا - مجلس عزرا

افلاکِ شرافت کے ستارے آئے
فردوس سے یاں نبیؐ کے پیارے آئے
مجلس میں ہوا روحِ ائمہ کا نذر
رونے کو طرفدار ہمارے آئے

اعتقادی رہائی (395) بزمِ عزا۔ مجلس عزا

دنیا میں ہیں یہ علی کے پیارے ایسے
رضواں ہے فدا، گل ہیں یہ سارے ایسے
کہتا ہے مہِ عزا کہ افلاک نے بھی
دیکھے نہیں گنجان ستارے ایسے

اعتقادی رہائی (396) بزمِ عزا۔ مجلس عزا

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہِ مصطفیٰ میں آئے
اس بزم میں آئے جو محبانِ علی
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

اعتقادی رہائی (397) بزمِ عزا۔ مجلس عزا

ہر نالہ دل جگر کو برما جائے
ایسا روؤ کہ ابر شرما جائے
سرما تو گیا سرد ہے کیوں بزمِ حسین
ٹھنڈی آپں کرو تو گرما جائے

اعتقادی رہائی (398) بزمِ عزا۔ مجلس عزا

پُر نور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں
زہرا و یَد اللہ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزمِ غم میں بانالہ و آہ
شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

اعتقادی رہائی (399) بزمِ عزا۔ مجلس عزا

دھوپ آ کے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے
 آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
 آہوں کے ہیں پکھے آنسوؤں کا چھڑکاؤ
 یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

اعتقادی رہائی (400) بزمِ عزا۔ مجلس عزا

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے
 کیا خوب فضائے چمنِ ماتم ہے
 سینے میں کھلے ہیں گلِ داغِ غمِ شاہ
 گرمی سے عرقِ تن پہ نہیں شبنم ہے

اعتقادی رہائی (401) یومِ عزاء۔ مجلس عزاء

غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے
پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے
اُس عشرے میں تھے شریکِ مجلس جو لوگ
اس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے

اعتقادی رہائی (402) یومِ عزاء۔ مجلس عزاء

فردوس۔ بے روح مصطفیٰ آتی ہے
پھولوں میں بسی بے صبا آتی ہے
گھبرائیں نہ گرمی سے عزادارِ حسین
یاں گلشنِ جنت سے ہوا آتی ہے

اعتقادی ربانی (403) بزمِ عزاء - مجلسِ عزاء

محفل محبوبِ حق کے پیاروں کی ہے
مجلسِ آقا کے سوگواروں کی ہے
چودہ معصوم کا ہے سایہ اس جا
شیعوں کے سروں پہ چھاؤں تاروں کی ہے

اعتقادی ربانی (404) بزمِ عزاء - مجلسِ عزاء

تکلیف کسی کی شے کو منظور نہیں
جنت کی ہوا آئے تو کچھ دور نہیں
گر کر بھٹتا نہیں زمیں پر دانہ
گرنی ہے مگر گرمیِ عاشور نہیں

اعتقادی ربائی (405) بزم عزا - مجلس عزا

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ
سب جس میں بھرے ہیں گل وہ مجمع ہے یہ
دیکھے کوئی صورتوں کو، چشم بد دور
مائی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

اعتقادی ربائی (406) بزم عزا - مجلس عزا

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے
عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

اعتقادی ربائی (407) بزم عزا۔ مجلس عزا

کیا بزم ہے کیا آہ و بکا ہر سو ہے
ایک ایک عزادار شہِ خوش خو ہے
یا رب یہ رہے باغِ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

اعتقادی ربائی (408) بزم عزا۔ مجلس عزا

عشرے سے دلوں پر رنج و غم چھائے ہیں
کی ہیں جو ریاضتیں تو پھل پائے ہیں
اللہ جزائے خیر دے مردم کو
تکلیف اٹھا کے دور سے آئے ہیں

اعتقادی رہائی (409) بزمِ عزرا۔ مجلس عزرا

عابد سب ہیں خدا رسیدہ سب ہیں
 پینا صفتِ مردم دیدہ سب ہیں
 گلزار ہے لکھنؤ انہیں پھولوں سے
 چیدہ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

اعتقادی رہائی (410) بزمِ عزرا۔ مجلس عزرا

رونے میں یہ موسم جو بسر ہوتا ہے
 ہر اشکِ عزادار غمِ ہوتا ہے
 چہلم کی بھی مجلسیں ہیں آخر رولو!
 اب ماہِ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

اعتقادی رباعی (411) بزم عزا - مجلس عزا

رعبِ شہِ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
سب طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیرِ خانے میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

اعتقادی رباعی (412) عشرہ محرم

کس طرح کرے نہ ایک عالمِ افسوس
جی بھر کے کیا نہ شہِ کا ماتم، افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے
کیوں صاحبو! ہو چکا محرم؟ افسوس!

اعتقاد رہائی (413) یزید عزرا۔ مجلس عزرا

کس کام آئے گی تیز ہوشی تیری
ہے سرد ولا میں گرم جوشی تیری
مجلس میں کیے جواشک حضرت سے عزیز
ہے عین خطا یہ چشم پوشی تیری

اعتقاد رہائی (414) دور عزرا

ہر وقت غم شاہِ زمن تازہ ہے
ہر فصل میں داغوں کا چمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ ہے دور عزرا
جب دیکھے یہ زخم کہن تازہ ہے

دعا

(415)

اعتقادی ربہائی

کیا دخل، خن کوئی فلک پر پہنچے
 نہ آہِ غریب و نہ تو نگر پہنچے
 جب صلّٰی علیٰ نبیٰ والہ کہیے
 تو عرشِ ملک دعا کا لشکر پہنچے

مریے۔ الملک مرزا

(416)

اعتقادی ربہائی

ہیڑ کے غم میں دل کو بے تاب ہے
 شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے
 دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں
 ہر مردم چشمِ مردمِ آبی ہے

اعتقادی رہائی (417) مگر یہ - اشکبازا

ہیئر کا حشر تک ہے ماتم باقی
اور زیت کا عرصہ ہے بہت کم باقی
جی بھر کے حسین ابن علی کو رو لو
اب نصف ہے عشرہ محرم باقی

اعتقادی رہائی (418) مگر یہ - اشکبازا

طفلی بہ نشاط و شادمانی کٹ جائے
یا عیش میں موسم جوانی کٹ جائے
سب کچھ یہ عبث ہے اے مجاہد حسین
روتے روتے ہی زندگانی کٹ جائے

اعتقادی رہائی (419) گریہ۔ اشکِ عزا

نیساں کو نخل، دیدہ تر سے پایا
دامن کو بھرا ہوا گھر سے پایا
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں
جو حظِ غمِ شاہِ بحر و بر سے پایا

اعتقادی رہائی (420) گریہ۔ اشکِ عزا

تا گھر میں کفن نہ بویا رکھتے ہیں
دامن میں گلِ اشکِ عزا رکھتے ہیں
انجام پہ ہے نظرِ سوم ہو کہ نہ ہو
یہ پھول ابھی سے ہم اٹھا رکھتے ہیں

اعتقادی رہائی • (421) مگر یہ - اشکِ عزا

رونے سے فراغ اب کسی روز نہیں
 بے غم کوئی دم جانِ غم اندوز نہیں
 جز درد نہیں کوئی ہمارا ہمدرد
 جز داغ کوئی اپنا جگر سوز نہیں

اعتقادی رہائی • (422) مگر یہ - اشکِ عزا

ہم لوگ اگر قدرِ غمِ شاد کریں
 سرِ پینے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں
 ہر دانہ اشک ہے ثوابِ تسبیح
 قبیل کا اجر ہے اگر آہ کریں

اعتقادی رہائی (423) گر یہ - اٹھ بڑا

رو مال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے
یہ راتیں، یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے
ہنسنے کے لیے تو سال بھر ہے یارو!
دس روز محرم کے ہیں رونے کے لیے

اعتقادی رہائی (424) گر یہ - اٹھ بڑا

عمر اپنی غمِ شے میں بسر کر لے تو
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے، شغلِ ماتم میں سدا
پھر قصدِ جنان انیس مر کر لے تو

اعتقادی رہائی (425) گر ہے۔ اٹکب عزا

داغ غمِ شہِ دل میں اگر پیدا ہو
مر کر بھی محبت کا اثر پیدا ہو
گر بعدِ فنا خاک کو چھانیں میری
پیدا ہو اگر، تو چشمِ تر پیدا ہو

اعتقادی رہائی (426) گر ہے۔ اٹکب عزا

یاں دھوپ بھی آکے زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
پچھے آہوں کے، آنسوؤں کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

اعتقادی رباعی (427) گر یہ۔ اٹکبِ عزا

رونے کا رسولِ حق صلا دیتے ہیں
شیعوں کو ملائکہ دُعا دیتے ہیں
کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کے آنسو
ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بچھا دیتے ہیں

اعتقادی رباعی (428) گر یہ۔ اٹکبِ عزا

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے
اس دم جو شریکِ درد ہووے میرا
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

گر یہ۔ اٹکب ۱۲

(429)

اعتقادی ربائی

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لیے
 روتا ہی جلا ہے چشمِ پُر نم کے لیے
 ہم کو دو نعمتیں خدا نے دی ہیں
 آنکھیں رونے کو، ہاتھ ماتم کے لیے

گر یہ۔ اٹکب ۱۲

(430)

اعتقادی ربائی

تذیر کرو اشکوں سے منہ دھونے کی
 اُمید نہیں اگلے برس ہونے کی
 اے مومنو! افسوس کہ خاموش ہو تم
 ہر سمت سے آتی ہے صدا رونے کی

اعتقادی رہائی (431) کر یہ۔ اشکِ عزا

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے
مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے
فضلِ باری سے ہوں وہ آنسو جاری
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہو جائے

اعتقادی رہائی (432) کر یہ۔ اشکِ عزا

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں
رُخساروں پہ اشکِ جمع ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیاد
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

اعتقادی رہائی (433) مگر یہ - الحک عزرا

اے شاہ کے غم میں جان کھونے والو
اے ابنِ علی کے صدقے ہونے والو
اس اجرِ عظیم کو نہ دو ہاتھوں سے
اب دو ہی شبیں اور ہیں، رونے والو!

اعتقادی رہائی (434) مگر یہ - الحک عزرا

گو حشر میں مہر کی تمازت ہوگی
پر شہ کے عزاداروں کو راحت ہوگی
دل کھول کے اس تنگ مکاں میں رو لو
قبروں میں تو اتنی بھی نہ وسعت ہوگی

اعتقادی رہائی (435) گریہ۔ اشکِ عزا

ہے اُس کی دوا جو مرضِ آدم ہے
جو زخم ہے اُس کے واسطے مرہم ہے
جز اس کے نہیں کوئی گناہوں کا علاج
رو نامِ حسین لے کے جب تک دم ہے

اعتقادی رہائی (436) گریہ۔ اشکِ عزا

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار
شادی کی خوشی میں، غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پر ابرِ اندوہ و ملال
رونے کی ہے عشرہٴ محرم میں بہار

گر یہ - اشکِ عزا

(437)

اعتقادِ رہائی

دس دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں
 خوشنود شبِ تشنہ جگر ہو جائیں
 موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں یہ اشک
 حضرت کو جو منظورِ نظر ہو جائیں

گر یہ - اشکِ عزا

(438)

اعتقادِ رہائی

تغیر نہ کر خراب ہونے کے لیے
 غافل کیا قبر کم ہے سونے کے لیے
 ہے عین خطا یہ چشم پوشی کے لیے
 آنکھیں تجھے حق نے دی ہیں رونے کے لیے

اعتقادی ربانی (439) گریہ۔ اشکِ عزا

ہر دم غم سببِ شہِ لولاک کیا
جب نام لیتا چشم کو نمناک کیا
تر ہو گیا رومال، تو پھاڑا دامن
پایا نہ گریباں، تو جگر چاک کیا

اعتقادی ربانی (440) گریہ۔ اشکِ عزا

جس جا ذکرِ حسین ہو جاتا ہے
رونے سے دلوں کو چین ہو جاتا ہے
آکر بزمِ عزائے شہِ میں رونا
ہر چشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (441) گریہ۔ اٹکب عزا

جز مدحِ خنِ منہ سے کوئی کم نکلے
ہر دم سینے سے آہ پُرِ نم نکلے
روحی بغدادک یا حسینِ ابنِ علی
نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

اعتقادی رہائی (442) گریہ۔ اٹکب عزا

جب واردِ حشر رونے والے ہوں گے
شادِ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

اعتقادی رہائی (443) گر یہ - اشکِ عزا

کیوں آہ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے
کس طرح نہ اشکِ چشمِ تر سے نکلے
کیوں دل نہ اُداس ہوں عزا داروں کے
شہیر اُنہیں دنوں میں گھر سے نکلے

اعتقادی رہائی (444) گر یہ - اشکِ عزا

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی ردا منھ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

اعتقادی رہائی (445) مگر یہ۔ اشکبہ مرزا

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے
اندازِ فغاں مجھ سے افغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

اعتقادی رہائی (446) مگر یہ۔ اشکبہ مرزا

آئینہ خاطر کی جلا ہے رونا
اور دیدہ مردم کی ضیا ہے رونا
پوچھا جو علاج دل، مسحا نے کہا
پر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

اعتقادی رہائی (447) گریہ۔ اٹھب عز

آیا ہے محرم آہ و زاری کرلو
شیر کے غم میں بے قراری کرلو
از بسکہ کیے ہیں سیکڑوں تم نے گناہ
لو مفت ہی رو کے رستگاری کرلو

اعتقادی رہائی (448) گریہ۔ اٹھب عز

ہر شب غم شہ میں جان کھویا کیجے
ہر روز منہ آنسوؤں سے دھویا کیجے
بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیس
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجے

اعتقادی رہائی (449) گریہ۔ الحکبِ عزرا

عشرے کے جو دن یاد ہمیں آتے ہیں
جی بھر کے نہ روئے یہی پچھتاتے ہیں
رونا آئے تو خوب روالو یارو!
چہلم کے بھی ایام چلے جاتے ہیں

اعتقادی رہائی (450) گریہ۔ الحکبِ عزرا

مظلوم پہ بزمِ مومنیں روتی ہے
ہے کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے
مرتا ہے جو کوئی رونے والا شے کا
اُس پر چالیس دن زمیں روتی ہے

اعتقادی رہائی (451) گر یہ - اشکِ بزا

اس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے
 تھا کہ یہ بزم گلشنِ جنت ہے
 رونے کو ہیں جمع عاشقانِ شبیر
 کیا لوگ ہیں کیا وقت ہے، کیا صحبت ہے

اعتقادی رہائی (452) گر یہ - اشکِ بزا

آنسو رُخِ مومن کے لیے غازہ ہے
 شیعہ کی لحدِ خلد کا دروازہ ہے
 داغِ غمِ شاہ سے ہے تربتِ روشن
 یہ پھول خزاں میں بھی تروتازہ ہے

اعتقادی رہائی (453) مگر یہ - اشکِ مزا

زر کے لیے حق نے کیسا پیدا کی
جو درد دیا اُس کی دوا پیدا کی
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج
اُس کے لیے یہ خاکِ شفا پیدا کی

اعتقادی رہائی (454) مگر یہ - اشکِ مزا

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں
بھیکے جو مژہ دیدہ تر ٹھنڈے ہوں
یوں سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے
خس خانے میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

اعتقادی رباعی (455) گر یہ اشکِ عزا

دارغِ غمِ شہدِ سینے میں گل بوٹے ہیں
کیا کیا گہرِ بیش بہا لوٹے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس
اشک اُن کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

اعتقادی رباعی (456) گر یہ اشکِ عزا

ہر اشکِ عزا دار، دُرِ یکتا ہے
قیمت فردوس و کوثر و طوبیٰ ہے
اللہ ہے مشتری، فردِ شندہ رسول
کیا جنس ہے، کیا بہا ہے، کیا سودا ہے

افتقادی رہائی (457) گریہ۔ اشکِ عزا

مجلس میں عجب بہارِ چشم تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

افتقادی رہائی (458) گریہ۔ اشکِ عزا

جو شاد کے غم کو دل میں جا دیوے گا
اللہ اُسے اس کا صلا دیوے گا
اشکِ غمِ شبیر کا، دیکھو تو اثر
اک قطرہ، جہنم کو بجھا دیوے گا

اعتقادی رہائی (459) مگر یہ۔ اشکِ عزا

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں یہ اشک
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں یہ اشک
آنکھوں سے لگا کے ان کو کہتے ہیں ملک
گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں یہ اشک

اعتقادی رہائی (460) مگر یہ۔ اشکِ عزا

مصروف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں
مرؤم کے لیے عز و شرف آنکھیں ہیں
جوشِ غمِ شہر سے دل ہے دریا
آنسو گوہر ہیں اور صدف آنکھیں ہیں

اعتقادی رہائی (461) گریہ۔ اشکِ عزّا

جو چشمِ غمِ شہ میں سدا روتی ہے
ہر لمحہ فزوں اس میں ضیا ہوتی ہے
اشکِ غمِ شبیر کا رُتبہ دیکھو
یاں اشک کا قطرہ ہے وہاں موتی ہے

اعتقادی رہائی (462) گریہ۔ اشکِ عزّا

کیا دستِ مژہ کو ہاتھ آئی تسبیح
سبحان اللہ کیا بنائی تسبیح
آنسو نہیں رکتے ہیں غمِ شہ میں انیس
آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

اعتقادی ربائی (463) گریہ۔ اشکِ عزا

دل ماتمِ شبیرؑ میں صد پارہ ہے
نہ ضبطِ فغاں، نہ صبر کا یارہ ہے
ہر مرتبہ جوشِ زن ہے دریا غم کا
ہر موئے مژہ چشم کا فوارہ ہے

اعتقادی ربائی (464) گریہ۔ اشکِ عزا

رونے کی جو غم میں شے کے خو ہووے گی
واللہ کہ عاقبت نکو ہووے گی
اشکوں کا جو آب، روپہ ہووے گا رواں
محشر میں اسی سے آبرو ہووے گی

گر یہ ایک عزا

(465)

اعتقادی رباعی

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عین یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ
کھل جائے گا سب، جو بند ہوں گی آنکھیں

گر یہ ایک عزا

(466)

اعتقادی رباعی

اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے
شیعوں کے تو قلب ہیں کہیں موم سے نرم
پتھر کا جگر ہو تو پکھل جاتا ہے

اعتقادی رہائی (467) مریہ۔ اشکِ عزا

سوئے غمِ سرود سے جگر جتا ہے
دن بھر جتا ہے رات بھر جتا ہے
سینہ مرا شے کا تعزیہ خانہ ہے
دل جتا ہے یوں جیسے اگر جتا ہے

اعتقادی رہائی (468) مریہ۔ داغِ سینہ

روشن جو ہر ایک داغ ہو جاتا ہے
سینہ جنت کا باغ ہو جاتا ہے
دل اہل عزا کا غم سے جلتے جلتے
چہلم میں چہل چراغ ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (469) مگر یہ۔ اشکبِ عزا

ہاں جوشِ غم سرورِ عالی ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں پیہم
ہر موئے مژدہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

اعتقادی رہائی (470) مگر یہ۔ اشکبِ عزا

ہتیر کا غم یہ جس کے دل پر ہوگا
آنسو جو گرے گا شکلِ گوہر ہوگا
پوچھے گا خدا جب ایسے دُر کی قیمت
تب حشر میں جوہری پیہم ہوگا

اعتقادی رہائی (471) گریہ۔ اشکِ عزا

جو قطرۂ اشک ہے دل آرام ہے یہ
فیضِ غمِ شیرِ خوش انجام ہے یہ
آنکھوں کی ضیا، تقویتِ قلب و دماغ
آنسو نہ سمجھ روغنِ بادام ہے یہ

اعتقادی رہائی (472) گریہ۔ اشکِ عزا

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے
فردوسِ صلہ رونے اُزلانے کا ہے
خورشیدِ نقابِ رخ اُٹھائے کیونکر
ہاں وقت یہ فاطمہ کے آنے کا ہے

اعتقادی رہائی (473) گر یہ - اشکباز

بے کار نہیں ہے آہ و زاری ایسی
 ہے عینِ قرار بے قراری ایسی
 اشکوں میں جو آب ہے تمہارے یارو
 گوہر میں کہاں ہے آبداری ایسی؟

اعتقادی رہائی (474) گر یہ - اشکباز

فرست کہاں ساعت نہ زمانے سے ملی
 بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
 حقا کہ پلک نواز ہے ذات تری
 جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

اعتقادی رہائی (475) مریہ۔ اشکِ عزا

جب دل غمِ شہ سے داغ ہو جاتا ہے
 ہر گوشہِ قبر باغ ہو جاتا ہے
 مردم کہتے ہیں جس کو یاں دانہ اشک
 واں گوہرِ شب چراغ ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (476) مریہ۔ اشکِ عزا

سوزِ غمِ شہ سے داغ داغ آنکھیں ہیں
 گلِ لختِ جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں
 چشمِ بد دور، بزمِ ماتم ہے نور
 آنسوِ روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

اعتقادی رباعی (477) گر یہ - اشکِ مزا

ہیں سوگ میں شبیر کے ہر دم آنکھیں
رہتی ہیں تمام سال پر نم آنکھیں
بیجا نہیں یہ دستِ مژہ کی جنبش
کرتی ہیں غمِ شاہ میں ماتم آنکھیں

اعتقادی رباعی (478) گر یہ - اشکِ مزا

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے
سنے کو سرورِ شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُور اشک
رونے کا مزا ماہِ محرم میں ہے

اعتقادی ربانی (479) گریہ۔ اشکِ عزا

میخانہ کوثر کا شرابی ہوں میں
کیا قبر کا خوف بوترا بی ہوں میں
کہتی ہے یہ چشم خشک رکھو نہ مجھے
اے اہل نظر مرؤم آبی ہوں میں

اعتقادی ربانی (480) گریہ۔ اشکِ عزا

جس پر نظر اک لطف کی شہیر کریں
ادنیٰ، اعلیٰ سب اُس کی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

گر یہ - اشکِ عزا

(481)

اعتقادِ ربانی

گر سبیلِ نبیؐ کی مہربانی ہو جائے
مردوں کی لحد میں زندگانی ہو جائے
ڈرتے نہیں دوزخ سے مجاہدِ حسینؑ
سایہ ڈالیں تو آگ پانی ہو جائے

تخلیقِ کائنات کی پہچان

(482)

ربانی رہائی

جو لوح و قلم ہوئے قرآنِ السعدین
فرمانے لگے یہ اُن سے ربِّ کونین
تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا
ہیں احمدؑ ، حیدرؑ و بتولؑ و حسنینؑ

درود پہ پہنچتے

(483)

رہائی رہائی

یکبار درود جو نبیؐ پر بھیجے
 حسنینؑ و بتولؑ اور علیؑ پر بھیجے
 ادنا ہو بشر پہ پاوے رتبہ اعلا
 دس بار درود حق اُسی پر بھیجے

غم شہدا

(484)

رہائی رہائی

زہرا سے کوئی غم پیمرؑ پوچھے
 زینبؑ سے کوئی فراقِ حیدرؑ پوچھے
 پوچھے کوئی سجادؑ سے شہیدؑ کا غم
 بانو کے جگر سے داغِ اکبرؑ پوچھے

مصائب بخت

(485)

رنگی رہائی

کیا پانچ ہوئے خدا کے مظہر پیدا
 تاحشر نہ ہوں گے جن کے ہم سر پیدا
 حیرت ہے مجھے کہ حیف ایسوں کے لیے
 اندوہ و الم تھے، زہر و خنجر پیدا

شہادت حضرت فاطمہ

(486)

رنگی رہائی

کرسی کس کی ہے، عرشِ اعلیٰ کس کا!
 کس کی یہ شرافت ہے، یہ رتبہ کس کا!
 صدیقہ، جنابِ سیدہ، بنتِ رسول
 زہرہ کہے زہرا کو، یہ زہرا کس کا!

رجائی رہائی (487) مگر یہ۔ امام حسن

دل غم سے محبوں کے بھرے رہتے ہیں
ہاتھ اپنے کلیجے پہ دھرے رہتے ہیں
بروم حسن سبز قبا کے غم میں
زخم دل صد چاک ہوئے رہتے ہیں

رجائی رہائی (488) شہادت حضرت علی

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا
مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا
تکوار سے اک شقی کی، سبحان اللہ!
سجدے میں اُسی کا سر دوپارا ہوگا!

رہائی رہائی (489) شہادت حضرت علی

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدر
 ذاکر بھی ہیں مصروفِ بیانِ حیدر
 ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا
 رونے کو ہیں جمع شیعہ یانِ حیدر

رہائی رہائی (490) شہادت حضرت علی

مسجد میں چراغِ دین خاموش ہوا
 ہر سمت فغان و آہ کا جوش ہوا
 پہنا ملبوسِ نیلگوں گردوں نے
 کعبہ اسی ماتم میں سیہ پوش ہوا

رہائی رہائی (491) شہادت حضرت علی

ہے آج وہ دن کہ انبیاء روتے ہیں
 گردوں پہ ملک اشکوں سے منہ دھوتے ہیں
 دنیا سے محمدؐ کا وحی اُٹھتا ہے
 بن باپ کے سبطین نبی ہوتے ہیں

رہائی رہائی (492) شہادت حضرت علی

دامادِ رسولؐ کی شہادت ہے آج
 معصوموں پہ فاطمہؑ کے آفت ہے آج
 جنت میں تڑپتے ہیں رسول الشقیینؑ
 خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

رہائی رہائی (493) شہادت حضرت علی

گھر سے جو پے نماز باہر نکلے
مرنے پہ کمر باندھ کے حیدر نکلے
واللہ کہ حق خانہ زاد ہی یہ ہے
نکلے جو خدا کے گھر سے، مر کر نکلے

رہائی رہائی (494) دریا پر خیمے نصب نہ ہوئے

خیمہ لب نہر شہ کو کرنے نہ دیا
پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا
پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے
دریا پہ مسافر کو اترنے نہ دیا

سفینہ محمدؐ ڈوبا

(495)

رجائی رہائی

خوں میں شہِ مظلوم کا سینہ ڈوبا
 بطحا ہوا برباد مدینہ ڈوبا
 کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اُڑاؤ، یارو!
 خشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

عشرہ محرم

(496)

رجائی رہائی

دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہرا
 تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہرا
 کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اُڑاؤ لوگو!
 کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہرا

برہاد کی باغ زہرا

(497)

رہائی رہائی

دشمن جو یزید ستم ایجاد ہوا
 محبوب خدا کا باغ برباد ہوا
 لکھا ہے کہ کربلا میں گھر زہرا کا
 ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

ورد و مایع کربلا میں

(498)

رہائی رہائی

مولاً مرے مقتل کے قریں آہنچے
 جنگل کی طرف عرش مکیں آہنچے
 اے مومنو، مشغول بکا ہو شب و روز
 ایام عزائے شہ دیں آہنچے

رہائی رہائی

(499)

ایامِ عزا

اے اہلِ عزا، عزا کے دن آپہنچے
 غم کی راتیں، بُکا کے دن آپہنچے
 فریاد کہ فاطمہ کی بستی اُجڑی
 آبادی کربلا کے دن آپہنچے

رہائی رہائی

(500)

تیاری آمدِ محرم

اے یارو! محرم کا مہینہ آیا
 سر چٹو، غمِ شادِ مدینہ آیا
 کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک ڈالو، یارو!
 احمدؑ کا تباہی میں سفینہ آیا

آمدِ محرم

(501)

رہائی رہائی

کیا جوش و خروش سے محرم آیا
جو خانہ بخانہ دینے یہ غم آیا
تم قدر کرو کچھ اس کی اہل ماتم
فرزندِ رسولؐ کا ہے ماتم آیا

سفرِ کربہ

(502)

رہائی رہائی

گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے
اور روضہٴ سید البشرؐ سے نکلے
کعبے میں بھی ملعونوں نے رہنے نہ دیا
روتے ہوئے اللہ کے گھر سے نکلے

آمد ما محرم

(503)

رہائی رہائی

آتا ہے جو خلق میں محرم تازہ
ہوتا ہے حسین کا یہ کیوں غم تازہ
مارا ہے گیا شفعِ محشر کا خلف؟
تا روزِ جزا رہے گا ماتم تازہ

شمشیر امام حسین

(504)

رہائی رہائی

تلواروں سے جسمِ شہرِ دیں چور ہوا
تیروں سے بدنِ خانہ زہور ہوا
ہر چند کہ تھی کمر میں شمشیرِ دو دم
امت کا مگر قتل نہ منظور ہوا

رہائی رہائی (505) شہادت امام حسین

جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہوا
 ماتم کا، حرم سرا میں اکبرام ہوا
 آتی تھی، یہ شہید کے تن بے سر سے صدا
 لو بخشیش اُمت کا سر انجام ہوا

رہائی رہائی (506) شہادت امام حسین

زہرا جو بصد آہ و فغاں چلتی ہیں
 منہ ہاتھوں سے حورانِ جاناں چلتی ہیں
 کیا غم ہے کہ نورِ عینِ زہرا کے لیے
 سردستِ مژدہ سے چٹلیاں چلتی ہیں

رجز امام حسین

(507)

رہائی رہائی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
 عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
 سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
 اے لشکرِ شام، وہ ستارا ہوں میں

عطشِ امام حسین

(508)

رہائی رہائی

کیا پیاس میں تھے محوِ عبادتِ ختمیز
 سینے پہ تو قاتل تھا گلے پر شمشیر
 نکلا نہ لہو خشک تھا یہ حلقِ حسین
 جاری تھی مگر خون کے بدلے تکبیر

جنار و امام حسین

(509)

رباعی رہائی

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاک حسین
سب ٹوٹ پڑے، لٹ گئی پوشاک حسین
فریاد ہے اُمت نے کفن کے بدلے
پامال کیا پیکرِ صد چاک حسین

ضمیمہ

(510)

رباعی رہائی

اے مومنو! فاطمہؑ کا پیارا ختمیر
کل جائے گا بھوکا پیاسا مارا ختمیر
ہو جائیں گے سب تعزیہ خانے سنسان
آج اور ہے مہمان تمہارا ختمیر

رہائی رہائی (511) رخصت امام حسین

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسین
تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسین
سب کو تو تسلی دیے جاتے تھے مگر
زیب کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسین

رہائی رہائی (512) ماتم امام حسین

بت و یکم ماہِ محرم ہے آج
جس آنکھ کو دیکھیے وہ پُرِ غم ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا
اُس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

دعا رہی (513) مصائبِ امامِ حجاز

بے گور و کفن باپ کا لاشا دیکھا
 پردیس میں مادر کا رنڈا پا دیکھا
 زنداں میں جفائے خار و طوق و زنجیر
 عابد نے پدر کے بعد کیا کیا دیکھا

دعا رہی (514) شہادتِ امامِ حسین

میدان میں جو حضرت پہ ستم ہوتے تھے
 زہرا و علی اشکوں سے منہ دھوتے تھے
 بھائی کے لیے ہوتے تھے شہرِ بیتاب
 سر پیٹ کے محبوبِ خدا روتے تھے

رہائی رہائی (515) شہادتِ امام حسینؑ

کیا کیا نہ ستم اہلِ جفا کرتے ہیں
 فتنہ مگر شکرِ خدا کرتے ہیں
 پھرتی ہے گلے پہ تیغ، لب پر نہیں آہ
 یوں وعدہٴ طفلی کو ادا کرتے ہیں

رہائی رہائی (516) شہادتِ امام حسینؑ

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں
 بے شبہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں
 کیونکر نہ کریں لوگ قیامت برپا
 بے سر ہوئے فتنہ ستم کے دن ہیں

رہائی رہائی (517) امام حسینؑ کی تہجائی

کہتی تھی بتول اے مرے پیارے فتیرؑ
کس بیکسی سے جاتے ہو مارے فتیرؑ
جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا
اب کوئی نہیں پاس تمہارے فتیرؑ

رہائی رہائی (518) قتل امام حسینؑ

کہتے تھے لعین لوٹ میں زر پائیں گے
اسبابِ شہِ جن و بشر پائیں گے
یہ گوہر مقصود ملے گا اُس دم
جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

مصائبِ امام حسین

(519)

رہائی رہائی

وہ کون سا صدمہ تھا جو شہ پر نہ ہوا
پانی بھی دمِ نزعِ میسر نہ ہوا
رویا کیے زینب کی اسیری پہ حسین
جب تک کہ رواں حلق پہ منجر نہ ہوا

جنازہ امام حسین

(520)

رہائی رہائی

عابد کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے
یہ لاشِ امامِ وطن آوارہ ہے
کرتب کریں انہیں تو قرآن ہو جائے
ہر عضو تنِ حسین ہی پارہ ہے

روحانی رہائی (521) درود امام حسین

کفار کا لشکر لبِ دریا اُترا
جو مالکِ کوثر تھا، الگ جا اُترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اُترے فطیر
غل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلا اُترا

روحانی رہائی (522) امام حسین کا اقدس

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے
کیا عز و شرف امامِ غازی کا ہے
سجدے کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

رہائی رہائی

(523)

عشقِ امام حسینؑ

شہدہ کہتے تھے خالق کا شناسا ہوں میں
 کر رحم پیہر کا نواسا ہوں میں
 کچھ پانی پلا کے قتل کرنا مجھ کو
 اے شمر کئی روز کا پیاسا ہوں میں

جائی رہائی

(524)

امام حسینؑ کی عظمت

ایں گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ
 مردِ اُممِ مثلِ محمدؐ ہے حسینؑ
 حبِ سر کو قدم کیا تو سر کی رہِ عشق
 دنیا کہ شہیدوں میں سر آمد ہے حسینؑ

شہادتِ امام حسین

(525)

رباعی رباعی

ہے کہتے تھے عاشقِ الہی ہوں میں
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں
جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبِ شبِ قتل
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

امام حسین

(526)

رباعی رباعی

زینب نے کہا بھائی سے میں چھوٹ گئی
پردیس میں تقدیر مجھے لوٹ گئی
فرزندوں کے مرنے کا نہ غم تھا مجھ کو
پر بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی

امام حسین

(527)

رہائی رہائی

زینبؓ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے
بے رحم کوئی شمر سا کم ہوتا ہے
یا شاہِ نجف آؤ مدد کی خاطر
سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

عشِ امام حسین

(528)

رہائی رہائی

کہتی تھی بتوں آہ، یارب! کیا ہے
کچھ خود بخود آج دل مرا اُلٹا ہے
پڑتی ہے گلے میں آبِ کوثر کی گرہ
شاید مرا شہید کہیں پیاسا ہے

عطشِ مہمِ حسینی

(529)

رہائی رہائی

حیرت میں ہوں کیوں جہاں میں آیا پانی
 دریا میں ہے کس لیے سمایا پانی
 یہ ابر جو لاکھ بار برسے تو کیا
 شہتر نے مرتے دم نہ پایا پانی

گرمیِ عاشقِ عطش

(530)

رہائی رہائی

جنگل کی چٹش کنارِ دریا گزری
 صدمے سے، دکھ اٹھائے، ایذا گزری
 اے اہلِ عزاتِ تمہاری راحت کے لیے
 گرمی میں مسافروں پہ کیا کیا گزری

عطش حسین

(531)

رہائی رہا ہی

مظلوم، نہ شاؤ بحر و بر سا ہوگا
 مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
 پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسین
 یوں گبر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

عطش - بے گور و گفن حسین

(532)

رہائی رہا ہی

اک کہنہ روا آئینِ عبا کو نہ ملے
 خربتِ مظلومِ کربلا کو نہ ملے
 کیا ظلم ہے یہ اے فلکِ نا انصاف!
 پانیِ فرزندِ مصطفیٰ کو نہ ملے

عشقِ امام حسین

(533)

رجائی ربانی

کیونکر نہ سحابِ جوشِ غم سے برسے
 کیوں برق گرے نہ اوجِ گردوں پر سے
 کیوں رعد کرے نہ شور و فریاد و فغاں
 پانی کو جو ابنِ میزِ کوثر تر سے

عشق

(534)

رجائی ربانی

اعدا نے پیا اور بہایا پانی
 لشکر نے حسین کے نہ پایا پانی
 بازو بھی کٹائے بازوئے سروڑ نے
 اُس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

رباعی رہائی (535) گرمی عاشور/عطش

پتھر بھی حرارت سے پکھل جاتے تھے
پھٹکتے تھے بدن، رنگ بدل جاتے تھے
اللہ ری ہوئے گرم روزِ عاشور
جب آتی تھی لو، درخت جل جاتے تھے

رباعی رہائی (536) پامال جنازہ/ہم اسپاں

جب خاتمہ شایہ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

بے کفن حسین

(537)

رہائی رہائی

صدقے ترے اے فاطمہؑ کے جاے حسینؑ
اُمت نے عجب دُکھ تجھے دکھلائے حسینؑ
عریاں رہی لاش اک مہینے دس دن
مر کر نہ کفن تجھ کو ملا ہائے حسینؑ

بے گورہ کفن جسدِ امام حسینؑ

(538)

رہائی رہائی

عریاں سرِ خاتونِ زمیں ہے اب تک
ناموس پہ ایذا و محن ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اُڑاؤ یارو
فتیہز کی لاش بے کفن ہے اب تک

رہائی رہائی (539) بے کور و کفن جسدِ امام حسین

ماں نہیں طبعِ پاک اس دنیا پر
 مردم ہیں عبثِ ہلاک اس دنیا پر
 فرزندِ ابوتراّب، محتاجِ لحد!
 ٹھف اس دنیا پہ، خاک اس دنیا پر

رہائی رہائی (540) زندانِ شام

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے
 تاریکی سے بی بیوں کے دم بند ہوئے
 سر پیٹ کے زینبؓ نے کہا وائے نصیب
 بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے

رہائی رہائی (541) دفن سید الشہداء

جب دفن ہوا شیرِ خدا کا جانی
سجاؤ نے کی قبر پہ آبِ افشانی
شیر کی پیاس کا کہوں کیا میں اثر
پتی گئی خاک جتنا چھڑکا پانی

رہائی رہائی (542) دفن سید الشہداء

مارے گئے جو، وہ سب لعین دفن ہوئے
زہرا کے نہ ہائے، نازنین دفن ہوئے
عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسین
پر قبر میں بعدِ اربعین دفن ہوئے

رہائی رہائی (543) دفن سید الشہداء (اربعین)

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج
سب روتے ہیں دنیا میں خوشی گم ہے آج
چالیسواں تک گڑا نہ لاشہ جس کا
اُس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

رہائی رہائی (544) چہلم شہداء

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے
کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے
چالیسویں تک پڑے رہے مقتل میں
وہ پھول سوم کو بھی اٹھائے نہ گئے

چہلم حسین

(545)

رہائی رہائی

رتی میں گلا علی کی جائی کا ہے
اب تک نہیں طور کچھ رہائی کا ہے
گھبرا کے یہی کہتی تھی کہ چھوٹیں گے
چہلم نزدیک میرے بھائی کا ہے

عباس علیہ السلام

(546)

رہائی رہائی

شہ کہتے تھے عباس سا مہرِ زو نہ رہا
کیا اشکِ تھمیں کہ دل پہ قابو نہ رہا
یک دشت گئی تاب و توانِ شہیر
اُس باتھ سے کیا ہو، جس کا بازو نہ رہا

رباعی رباعی (547) عباس ملیدار

خوں بھائی کا، شہ کے رو برو بہتا تھا
پیاسے کا لہو، کنار جو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ
دریا تو ادھر، ادھر لہو بہتا تھا

رباعی رباعی (548) نبی ہاشم

عباس سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبر سا گلبدن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر، مگر لب نہ لے
اصغر سا بھی کم خن نہ ہوگا کوئی

عباس حیدر

(549)

رباعی رباعی

اعدا رفقائے شہ سے سربر نہ ہوئے
 لڑتے رہے جب تک کہ بے سر نہ ہوئے
 سرداروں کو آرزو رہی دنیا میں
 ایسے غازی مگر میسر نہ ہوئے

مصائب الشہداء

(550)

رباعی رباعی

عباس کو لطفِ زندگانی نہ ملا
 اکبر کو بھی کچھ حظِ جوانی نہ ملا
 اس موسمِ گرما میں غضب ہے، یارو!
 شہیز کو تین روز پانی نہ ملا

عباس علیٰ علیہ السلام

(551)

رثائی رباعی

ظاہر وہی اُلُفت کے اثر ہیں اب تک
 قربانِ شہید جن و بشر ہیں اب تک
 ہوتے ہیں علم آگے جب اٹھتی ہے ضریح
 عباس علیٰ سینہ سپر ہیں اب تک

شہادت علی اکبر

(552)

رثائی رباعی

روتے ہیں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں
 کیا صبرِ امامِ دوسرا کرتے ہیں
 اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بر میں
 اُس بیٹے کو اُمت پہ فدا کرتے ہیں

شہادت علی اکبر

(553)

رباعی رباعی

اکبر نے جو گھر موت کا آباد کیا
صفرا کو دم نزع بہت یاد کیا
لاشے پہ کمر پکڑ کے کہتے تھے حسین
تم نے علی اکبر ہمیں برباد کیا

رضخت علی اکبر

(554)

رباعی رباعی

اکبر کہتے تھے ”بابا کیوں روتے ہو؟
اس فدوی کے غم میں جان کیوں کھوتے ہو؟“
فرماتے تھے ”خشتہ رونے کی جا ہے اکبر
اٹھارہ برس بعد جدا ہوتے ہو“

سراپا علی اکبر

(555)

رہائی رہائی

منہ چاہیے وصفِ زرخِ اکبر کے لیے
 تھا حسن اسی سروِ سخنِ بر کے لیے
 نازکِ بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
 تارِ رگِ گل چاہیے مسطر کے لیے

شہادتِ قاسم ابنِ حسن

(556)

رہائی رہائی

دُشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ
 جاتا نہیں ہرگز دلِ ناشاد کا داغ
 فرماتے تھے رو کے لاشِ قاسم پہ حسین
 اولاد سے کم نہیں ہے داماد کا داغ

رہائی رہائی (557) شہادتہ قاسم ابن مسن

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
 آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا
 افسوس کہ میداں میں بنے قاسم نے
 دیکھا جسے، اُس کو ہاتھ ملتے دیکھا

رہائی رہائی (558) لاش قاسم ابن مسن

قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا
 شہید نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
 تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر
 گھوڑوں کی سموں سے اُس کو پامال کیا

رجائی رہائی (559) لاشے قاسم ابن حسن

جھک جھک کے تو منہ ابن حسن نے دیکھا
لیکن نہ سکیۃ کی بہن نے دیکھا
آنسو نکل آئے، مگر آنکھیں نہ کھلیں
لاش آئی، تو دولہا کو دلہن نے دیکھا

رجائی رہائی (560) مصاب سکیۃ بنت الحسین

کہتی تھی سکیۃ، گھر کا جلنا دیکھا
ماں بہنوں کا بلوے میں ٹکلتا دیکھا
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے
اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

رہائی رہائی (561) قتلِ پیرانِ مسلم

چلاتے تھے مسلم کے پسر قتل نہ کر
مظلوم ہیں اور بے پدر، قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث
اللہ ہمیں بچ لے، پر قتل نہ کر

رہائی رہائی (562) شہادتِ علیؑ مسفر

ماں کہتی تھی راحت نہ ملی آہ ملی
تصویرِ تری خاک میں اے ناہ ملی
لقاں صدقے ہو تو برس دن نہ حیا
اصغر تجھے عمر ایسی کوتاہ ملی

دُہن علی اصغر

(563)

دہائی رباعی

مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے
 بس صبر علاجِ دلِ صد پارہ ہے
 اصغر کو لٹا قبر میں بولے یہ حسین
 آرام کرو اب یہی گہوارا ہے

شہادت علی اکبر اور علی اصغر

(564)

دہائی رباعی

بانو کہتی تھی ہائے! اکبر نہ رہے
 غم رہ گیا، ہمشکلِ پیہر نہ رہے
 ہو کر چھ مہینے کے گئے دنیا سے
 گھر میں مرے سال بھر بھی اصغر نہ رہے

علی اصغر کا دفن

(565)

رباعی رباعی

جو شے تھی تہ چرخ بریں ہلتی تھی
ایک ایک صف لشکرِ کیس ہلتی تھی
اصغر کو جو رن میں دفن کرتے تھے حسین
گہوارے کی مانند زمیں ہلتی تھی

مصائب امام سجاد

(566)

رباعی رباعی

کیا رنج جفائے اشتیاء سے کھینچا
لیکن نہ قدم راوِ رضا سے کھینچا
سردار تھے صابروں کے سجادِ حزیں
کانٹا بھی نہ جھک کر کفِ پا سے کھینچا

روحانی رہائی (567) زندگی کا کافی امام چھاؤ

عابد کی تمام عمر زاری نہ گئی
پوشاکِ عزا تن سے اُتاری نہ گئی
خواب و آرام و صبر و تاب و طاقت
یہ سب گئے اور بے قراری نہ گئی

روحانی رہائی (568) مصائب امام چھاؤ

عابد کو سدا باپ کا غم رہتا تھا
دامانِ مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا
تھیں فرطِ بکا سے دونوں آنکھیں مجروح
رخسارِ مبارک پہ درم رہتا تھا

رہائی رہی (569) امام سجادؑ کی زندگانی

تھے زیت سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاڑ
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجاڑ
جب تک جیے ہنتے نہ کسی نے دیکھا
چالیس برس باپ کو روئے سجاڑ

رہائی رہی (570) امام سجادؑ کی زندگانی

عابد تھے مدام صبح ہوتے روتے
جب جاگتے روتے، جبکہ سوتے روتے
چالیس برس پدر کو روئے یاں تک
زُخسار بھی گھل گئے تھے روتے روتے

رہائی ربائی (571) امام سجادؑ کے مصائب

سجادؑ حزیں شغلِ بکا رکھتے ہیں
تر اشکوں سے زُخار سدا رکھتے ہیں
بھر آتا ہے دل دیکھ کے جامِ پُر آب
یادِ عطشِ شاوِ ہدا رکھتے ہیں

رہائی ربائی (572) امام سجادؑ کی گریہ داری

دینِ روئے نہ عابد سے رہا جاتا تھا
خطبہ سرِ منبر نہ پڑھا جاتا تھا
پڑھنے میں اگر لیتے تھے وہ نامِ حسینؑ
روتے تھے یہاں تک کہ غش آ جاتا تھا

رہائی رہائی (573) امام سجادؑ کی گریز آری

عابد کو کبھی خوش نہیں ہوتے دیکھا
بے گریہ نہ جاگتے، نہ سوتے دیکھا
شب سے تا صبح، اور سحر سے تا شام
جب کوئی گیا، آپ کو روتے دیکھا

رہائی رہائی (574) امام سجادؑ کی زندگی

سجادؑ کے چہرے سے تغیری نہ گئی
تھے گل کے امیر، پر فقیری نہ گئی
زنجیر قدم ضعف رہا برسوں تک
آزاد ہوئے پھر بھی اسیری نہ گئی

رہائی رہائی (575) حرائین ریاحی کا مقدر

خُر نے مقدار کا مقدر پایا
اسلام بھی سماں کے برابر پایا
عمار کی طرح پائی عمر جاوید
زر چھوڑا تو رُتبہ ابوذر پایا

رہائی رہائی (576) حرائین ریاحی کی بخشش

جب خُر کا گنہ شادِ اُم نے بخشا
قطرے کو شرف بحرِ کرم نے بخشا
گردوں سے ندا آئی کہ، اے سبطِ نعل
تو نے جسے بخشا، اُسے ہم نے بخشا

رہائی رہائی (577) حرائینِ ریاحی کی رشتگاری

ہمیر سا خر نے جب کہ رہبر پایا
پایے سے ہوا عرش کے برتر پایا
اک سبطِ رسول کی رضامندی سے
حوریں پائیں، بہشت و کوثر پایا

رہائی رہائی (578) حرائینِ ریاحی کی خوش نصیبی

خر کہتا تھا، جب قبر میں سوتا ہوگا
پُرنور مری قبر کا کونٹا ہوگا
زانوے حسین اور ردائے زہرا
تکیہ تو یہ ہوگا، وہ بچھونا ہوگا

رہائی رہائی (579) حرائینِ ریاحی کی بخشش

خر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہوا
اک غلغلے جزاگم اللہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح پہنچتا، وہ جبری
ہمیر سا رہبرِ خضرِ راہ ہوا

کتابیات

مرآئ میر انجمن (چہ جلد)	نول کشور۔ گلشن	نول کشور۔ گلشن	1885ء
مجموعہ رباعیات	سید علی حسین	یوسف علی پریس، دہلی	1901ء
رباعیات انجمن	سید محمد حسن بکرای	حیدر آباد دکن	1906ء
مرآئ انجمن	نکاحی پریس، دہلی	دہلی	1926ء
انجمن الاغلاق	سید محمد عباس	گلشن	1939ء
رباعیات انجمن	مرفیضی	لاہور	1956ء
رباعیات انجمن	علی جواد زیدی	سپر پرنٹرز، دہلی	1984ء
رباعیات دہلی	سید تقی عابدی	شاہد علی کیشنز، دہلی	2008ء
ماہنامہ انجمن نمبر	مدیر فضل قدر	ادارہ مطبوعات، پاکستان	1972ء
آج کل میر انجمن نمبر	مہدی عباس حسینی	ڈائریکٹر، جلی کیشنز، پٹیلہ ہاؤس	1975ء
سرفراز گلشن انجمن نمبر	مصطفیٰ حسن رضوی	سرفراز قوی گھر، گلشن	1972ء
پیام عمل انجمن نمبر	سید کوثر حسین	امامیہ مشن پاکستان، لاہور	1973ء
نگار میر انجمن نمبر	فرمان فتح پوری	مشکوٰۃ پریس، کراچی	1971ء
خیابان انجمن	محمد شمس الدین صدیقی	شاہین برقی پریس، پشاور	1974ء
دہستان انجمن	دہستان انجمن رولپنڈی	فیم پرنٹنگ پریس، لاہور	1974ء
نقوش میر انجمن نمبر	محمد طفیل - اکبر حیدری	ادارہ فروغ اردو، لاہور	1981ء
تجزیہ یادگار انجمن	سید تقی عابدی	پریس آرٹ پرنٹرز، دہلی	2002ء
باقیات انجمن	اکبر حیدری	محمدی پبلشرز، گلشن	1979ء
موازنہ انجمن دہلی	شبلی نعمانی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی	1988ء